بیاد پروفیسر سید منظر حسن دسنوی مرحوم
اور سید شکیل دسنوی مرحوم
شعروادب کی صالح قدروں اور عصری رجحانات کا ترجمان
سہ ماہی **ادبی محاذ** کٹک

اشاعت کا سولہواں سال ۶۳ رواں شمارہ

ہمارے سرپرست
حضرت سید اولادِ رسول قدسی مصباحی
مدیراعلیٰ: سعید رحمانی
موبائل۔ 07978439220 (صرف SMS کے لیے)

مدیر	معاون مدیران	
سید نفیس دسنوی	سیّد نور الٰہی ناطق	عبدالمتین جامی
Mob:9437067585	Mob:9237427933	Mob-9938905926

منیجنگ ایڈیٹر
سمیع الحق شاکر موبائل 9861148800
کمپیوٹر کمپوزنگ:۔سید مصطفےٰ علی موبائل۔93383635918

مجلسِ مشاورت
ڈاکٹر اسلم حنیف، ظفر اقبال ظفر، شارق عدیل، غلام ربانی فدا، اشفاق نجمی، حیرت فرخ آبادی، شیخ منور حبیبی، شیخ قریش، ڈاکٹر معصوم شرقی، ڈاکٹر قمرالزماں، یوسف جمال، مولانا مطیع اللہ نازش، ارشد جمیل

قانونی مشیر: محمد فیض الدین خاں (ایڈوکیٹ، ہائی کورٹ)

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ
سعید رحمانی۔دیوان بازار۔پوسٹ۔بخشی بازار، کٹک۔753001 (اڈیشا)
09437067585 (ضروری جانکاری کے لیے)
E-mail: adbimahaz@gmail.com
E-mail: Sayeedrahmani@gmail..com
Website: www.sayeedrahmani.blogspot.in

قیمت فی شمارہ: ۲۵ روپے زرِ سالانہ: ۱۰۰ روپے
رجسٹری ڈاک سے زرِ سالانہ۔۲۰۰ روپے
خصوصی زرِ سالانہ: ۲۰۰ روپے بیرونِ ممالک: ۲۵ امریکی ڈالر
(چیک یا ڈرافٹ پر نام کی جگہ صرف Md.Sayeed لکھیں۔پتہ نہ لکھیں۔چیک کے ذریعہ زرِ سالانہ ۱۲۵ روپے ارسال کریں۔بیرونِ ملک کے لئے ۳۰ امریکی ڈالر)
IndianOverseasBank-A/CNo.172201000001688
IFSC Code-IOBA0001722-Branch-HaripurRoad,Cuttack
عدالتی چارہ جوئی صرف کٹک کی عدلیہ میں قابلِ سماعت ہوگی

پبلیشر و پرنٹر شیخ قریش نے چتا پریس قاضی بازار سے چھپوا کر دفتر ادبی محاذ دیوان بازار کٹک۔753001 سے شائع کیا۔

یادوں کی دہلیز سے
سید شکیل دسنوی (مرحوم)

غزل

چاند پہ چھایا ہلکا ہلکا بادل اچھا لگتا ہے
تیرے سندر مکھڑے پر یہ آنچل اچھا لگتا ہے

کالے کوسوں دور سے جب ہم پہنچے اس گوری کے گاؤں
برہ کی ماری ان آنکھوں میں جل تھل اچھا لگتا ہے

تجھ سے بچھڑ کے جیون جیسے بن جاتا ہے اک جنجال
تجھ سے ملن کا لیکن کتنا پل پل اچھا لگتا ہے

بھور کی بیلا نیند سے بوجھل ان متواری آنکھوں میں
کیا جانے کیوں پھیلا پھیلا کاجل اچھا لگتا ہے

سیدؔ جی کو دیکھ کے سکھیاں گوری سے کیوں کہتی ہیں
دُھن میں کسی کی کھویا کھویا پاگل اچھا لگتا ہے

بہ شکریہ
سیدہ ہما اویس۔بھوپال

ہمارے خصوصی معاونین

اپنی پنشن کی رقم سے ''اخبارِ اڑیسہ'' کا لگایا ہوا پودا اب اللہ کے فضل وکرم سے برگ و بار لا کر سہ ماہی ''ادبی محاذ'' کی صورت میں ارتقائی سفر طے کرنے لگا ہے۔میری تنہا ذاتی کوششوں سے شروع کیا ہوا یہ سفر اب 'لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا' کے مصداق ایک ادارے کی شکل اختیار کر گیا ہے جس میں مقامی احباب کے دامے درمے سخنے تعاون کے ساتھ ہی کل ہند اور عالمی سطح پر بھی محبان اردو نے اپنی طرف سے ایک ہزار سے پانچ ہزار اور تک کے عطیات دیے ہیں اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ان میں سے بعض نے وقفے وقفے سے رقم بھیجتے رہنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔تمام محبان اردو سے گزارش ہے کہ ''ادبی محاذ'' کی خریداری قبول فرمائیں اور اس کی بقا کا ضامن بنیں۔

خصوصی معاونین کے اسمائے گرامی

نام	مقام
الحاج محمد ایوب خاں	بھوبنیشور
الحاج سیّد عطامحی الدین	بھدرک
الحاج سیّد ڈاکٹر مشتاق علی	کٹک
الحاج مولوی سیّد نذیرالدین صدیقی (ایڈوکیٹ)	کٹک
جناب محمد شاہنواز	بھوبنیشور
جناب عبدالمجید فیضی	سمبل پور
جناب ایم اے احد	بھوبنیشور
جناب محمد اسلم غازی	ممبئ
ڈاکٹر محمد قمرالدین خاں	کٹک
جناب ایس این شیخ	ممبئ
مولوی محمد مطیع اللہ نازش	کٹک
جناب شیخ منور احمد حبیبی	دھام نگر (اڑیسہ)
جناب محب الرحمن وفا	یوڈا، مہاراشٹر
جناب وکیل نجیب	ناگپور
جناب سیّد محمود رضی الدین	راجستھان
جناب اقبال سلیم۔	بنگلور
جناب ایم حمیدالدین ناز	بیدر
پالوجی ڈاکٹر جاوید حسین	ممبئ

نام	مقام
مس انجم ممتاز سلطانہ	بیدر
جناب رفیق شاہین	علی گڑھ
جناب سمیع الحق شاکر	کٹک
ڈاکٹر سید مجیب الرحمن بزمی	رانچی
ڈاکٹر جمال الدین احمد	بھوبنیشور
ڈاکٹر کرشن بھاوک	پٹیالہ
سید فرید منظر حسن	کٹک
ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی	نیپال
ڈاکٹر قمرالزماں	دھنباد
مولانا پھول محمد نعمت رضوی	مظفر نگر (بہار)
جناب ارشد قمر	ڈالٹن گنج
ڈاکٹر ملکہ خورشید	لکھنؤ
حاجی اختر حسین	بیل پہاڑ۔جھاڑسوگڈا
جناب جمال قدوسی	سدھارتھ نگر (یوپی)
جناب شمس الحق شمس (ایڈوکیٹ)	دیوپور (کٹک)
ابوالکمال ظفر احمد (ایڈوکیٹ)	بالیسر
جناب ارشد جمیل	کٹک
جناب شیخ بشیر احمد	کشمیر

نام	مقام
جناب نظام مجھولیاوی	مظفرپور (بہار)
جناب رمیش پرساد کنول	پٹنہ
جناب اسحاق عابد	چنئی
ڈاکٹر مختار شمیم	بھوپال
بانو مہر سلطانہ بنت حمیدالدین	بیدر (کرناٹک)
جناب جاوید ندیم	ممبئ
جناب فیروز احمد سیفی	نیویارک (امریکہ)
پروفیسر سید محمد استخارالدین	بجنور (یوپی)
الحاج سید عطامحی الدین	بھوبنیشور
جناب سید اولادِ رسول قدسی	امریکہ

ادبی محاذ کے گوشے

اس شمارے میں بریلی کے ایک جواں فکر شاعر بلال رازؔ کے فکروفن پر ایک مبسوط گوشہ ملاحظہ فرمائیں۔

ادبی محاذ میں شاعروں اور ادیبوں کے متعدد گوشے اب تک شایع ہو کر اہلِ ادب سے خراج حاصل کر چکے ہیں۔

آپ کے گوشے کے لیے بھی ادبی محاذ کے صفحات حاضر ہیں۔تفصیل کے لیے اس فون نمبر پر رابطہ کریں۔نمبر ہے: 09437067585

اس شمارے میں

سید اولادِ رسول قدسیؔ مصباحی (امریکہ)
سرپرست ادبی محاذ
E-mail:auladerasul@yahoo.com
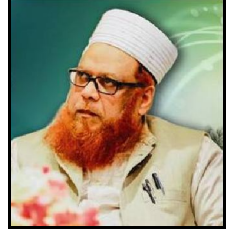
نعتِ پاک

متاعِ حق ہے حبیبِ خدا کے دامن میں
یہ ان کے روئے منور کا ہے حسیں پرتو
عروج کی حدیں چھولو گے ان کے در کے قریب
محبتِ شہہِ دیں کی شعاعیں پھوٹیں گی
یہ آزمودہ عمل ہے ہر اک صحابی کا
خدا کے حکم کی تعمیل میں رہو محتاط
اٹھو نبی نے بلایا ہے شہرِ طیبہ چلو
جو سائبان میں ایماں کی تاحیات رہے
میں غرق کیا ہوا یادوں میں سرورِ دیں کی
نبی کا نام ہے کافی مرے مرض کے لیے
درود اول و آخر ہو عرض کے مابین
یہ اِنّ اکـــرَ مَـــکُـــم نص کا ہے بیانِ بلیغ
نہ پوچھو کتنا ہے شاداں مرا یہ طائرِ فکر
نہ چاہیے مجھے نعمت کا سلسبیل آقا
نگاہِ لطف و کرم ہو اے مرکزِ عالم
انا کو کردو فنا تم رضائے رب کے لیے
پناہ میں اسے رکھ لو اے رحمتِ کونین

چلو سمٹ چلیں شاہِ ھدیٰ کے دامن میں
چمک دمک جو ہے نوری سما کے دامن میں
ملے گا کیا تمھیں جا کر خلا کے دامن میں
نثار ہو کے تو دیکھو رضا کے دامن میں
نجاتِ کرب ہے ان کی ندا کے دامن میں
الجھ نہ جائیں نمازیں قضا کے دامن میں
خبر یہ آیے لپٹ کر صبا کے دامن میں
وہ کیسے قبر میں آیے سزا کے دامن میں
مچلتا رہ گیا حق کی فضا کے دامن میں
پناہ کیوں میں لوں جا کر دوا کے دامن میں
ملے گا نورِ اجابت دعا کے دامن میں
نہاں ہے عظمتِ شاں اتقا کے دامن میں
رسولِ پاک کی مدح و ثنا کے دامن میں
بنالو دھاگہ تم اپنی ردا کے دامن میں
میں سسکیاں بھروں کب تک صدا کے دامن میں
ہو آرزو کہ ملے جا بقا کے دامن میں
عجب گھرا ہے یہ قدسیؔ بلا کے دامن میں

غزل

کشتِ فلک پہ چارسو چرتی ہیں بجلیاں
آغوشِ غم میں آہ سی بھرتی ہیں بجلیاں
آتش اگل رہا ہے عنایت کا آسماں
یوں ریزہ ریزہ ہو کے بکھرتی ہیں بجلیاں
کونین پر قیامتِ صغریٰ مچی ہے آج
شعلوں کا غازہ مل کے سنورتی ہیں بجلیاں
جائے پناہ ڈھونڈتی پھرتی ہیں کو بہ کو
تیکھی کرن کے خوف سے ٹھرتی ہیں بجلیاں
کرتی ہیں راکھ چشمِ زدن میں پہاڑ کو
پر جھونپڑی کے عجز سے ڈرتی ہیں بجلیاں
کل ہی کہا تھا ظلم سے تائب ہوئی ہیں ہم
وعدے سے آج پھر یہ مکرتی ہیں بجلیاں
بزمِ طرب سجی ہے درختوں کی بزم میں
بحرِ الم میں ڈوب کے مرتی ہیں بجلیاں
اب حسنِ آتشیں میں نہائیں گی قسمتیں
ابرِ سیہہ میں قدسیؔ نکھرتی ہیں بجلیاں

قاضی مشتاق احمد

محاذِ اول

مولانا آزاد کی خدمات کو ہم بھولتے جارہے ہیں
ایک قومی المیہ

نامور دانشور اور ماہر تعلیم ایم ایم جوشی نے پونے کے مؤقر مراٹھی اخبار ''سکال'' سے گفتگو کرتے ہوئے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ ملک کے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد کا یوم ولادت ۱۱رنومبر ''راشٹریہ شکھشا دیوس'' (قومی یوم تعلیم) ہونے کے باوجود اتنے جوش وخروش سے منایا نہیں جاتا جتنا کہ سابق راشٹر پتی سروپلی ڈاکٹر رادھا کرشنن کا یوم ولادت ۵رستمبر کو ''یوم تعلیم'' کے طور پر منایا جاتا ہے۔ انھوں نے محکمۂ تعلیم کی اس معاملے میں سرد مہری کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا۔ مسٹر جوشی نے کہا کہ مولانا آزاد نے وزیر تعلیم کی حیثیت سے طلبہ کو مفت تعلیم دینے، اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے کڑی محنت وجدوجہد اور قومی تعلیمی پالیسی کا خاکہ مرتب کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ وہ ہندوستان کا مستقبل روشن دیکھنا چاہتے تھے جس کے لیے ہر ہندوستانی کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری تھا۔ انہوں نے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن قائم کر کے اعلیٰ تعلیم کو فروغ دیا۔ برٹش حکومت کے دور میں لارڈ میکالے کے بنائے ہوئے نظام تعلیم نے اداروں کو ''کلرک بنانے کی فیکٹریاں'' بنادیا تھا۔ مولانا نے اس نظام میں تبدیلی کر کے اس کو اونچائی پر پہنچایا کہ آج ممالک غیر کے نوجوان طلبہ وطالبات اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہمارے ملک میں آتے ہیں، جب کہ ماضی میں اعلیٰ تعلیمی سہولیات کے فقدان کی وجہ سے انھیں باہر ملکوں میں جانا پڑتا تھا۔ مولانا نے کھڑگپور میں آئی ٹی آئی قائم کر کے انجینئرنگ کے شعبہ کو فروغ دیا۔ ادبی وثقافتی میدان کے فروغ کے لئے ساہتیہ اکاڈمی، سنگیت اکاڈمی، ناٹیہ اکاڈمی جیسے ادارے قائم کئے۔ مولانا ہمہ جہت شومین کی اعلیٰ مثال تھے۔ جدوجہد آزادی میں انھوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انقلابی سرگرمیوں کی وجہ سے انھیں کئی بار جیل جانا پڑا۔ مولانا ایک شعلہ بیان مقرر تھے۔ آزادی کی تحریک میں انھوں نے پورے ملک میں ہلچل مچا دی تھی۔ آزادی کی تحریک میں مسلمانوں کی شمولیت کو یقینی بنانے کے لئے انھوں نے ''الہلال'' اور ''البلاغ'' جاری کئے۔ حکومت نے ان اخبارات پر پابندی لگادی۔ مولانا ہندو مسلم اتحاد کے علم بردار تھے۔ وہ تقسیم کے خلاف تھے، وہ چاہتے تھے کہ اس ملک میں ہندو اور مسلمان اتفاق واتحاد اور بھائی چارہ سے رہیں۔ حب الوطنی کی خاطر انھیں اپنی عمر عزیز کے دس سال جیل میں گزارنے پڑے۔ مولانا آزاد ۱۱رنومبر ۱۸۸۸ء کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور تقریباً پانچ دہائی تک ملک وقوم کی خدمت کرنے کے بعد ۱۹۵۸ء میں اس ادارفانی سے کوچ کر گئے۔

مولانا آزاد کو ان کی حب الوطنی، بے لوث خدمات، ترجمان القرآن اور انڈیا ونس فریڈم جیسے تصانیف کے لئے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ تحریک خلافت، آزادی کی تحریک، ہندوستان چھوڑو کی تحریک، ''الہلال'' اور ''البلاغ'' کے ذریعہ حب الوطنی اور قومی یکجہتی کا ماحول پیدا کیا اور اپنی مرصّع تجویز سے اردو ادب کو ایک نئی راہ دکھانے جیسی خدمات کے لئے ان کا نام ملک کی تاریخ میں سنہرے لفظوں سے لکھا جائے گا۔

افسوس اس بات کا ہے کہ حکومتِ ہند نے ان کی بے لوث خدمات کے اعتراف میں ۳۴رسال بعد انھیں ملک کے اعلیٰ ترین اعزاز ''بھارت رتن'' سے نوازا اور ان کی یاد میں ایک دن مختص کر کے اپنا فرض پورا کر دیا۔ دراصل ۵ر دہائیوں تک ملک وقوم کی خدمت کرنے والے اس بے لوث خدمت گار کو یاد کرنے کے لئے کوئی مخصوص طریقہ اپنانے کی ضرورت ہے تاکہ آنے والی نسلیں ان کے نقش قدم پر چل کر ملک وقوم کی خدمت کریں اور ان میں قومی یکجہتی کا جذبہ پیدا ہو، جس کی اس دور میں بے حد ضرورت ہے۔

☆☆☆

موبائل۔9938905926

محاذِ ثانی

سالِ نو اور ہماری ذمہ داریاں

چلئے جیسے تیسے ایک سال گزر گیا۔اڈیشا میں یادگار بن کر رہ گئی موسلا دھار بارش،طوفان فنی اور دیگر حیرت انگیز قدرتی آفات۔ہر طرف ماحولیاتی تبدیلی پر خیال آرائیاں ہونے لگیں۔ہمارے ملک عزیز میں چناؤ کا ڈراما بھی خوب رہا۔کشمیر سے دفعہ ۳۷۰ کی تنسیخ کے بعد والے سیاسی اتھل پتھل کے علاوہ بابری مسجد کے سلسلے میں سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد ملک کا ماحول خاصا ہنگامہ خیز رہا ہے۔۔اس تاریخی فیصلے کے بعد محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے گزشتہ ۵۰۰ سالہ تاریخی تنازع کا آسان حل نکل آیا ہے۔لیکن رفتہ رفتہ ماحول پھر سے گرمانے لگا ہے۔مختلف مذہبی جماعتوں کی جانب سے متنازعہ فیہ بیانات نے ایک عجیب صورتحال پیدا کردی ہے۔پتہ نہیں یہ معاملہ کہاں جا کر رکے گا۔

بہر حال نیا سال سبھوں کو مبارک ہو۔نئے سال کی تقریب منانے کا یہ سلسلہ بھی خوب ہے۔دراصل نیا سال انگریزوں کی دین ہے۔ہندوستان کا نیا سال تو بیساکھ سے شروع ہوتا ہے۔یہ تقریب بنگال،پنجاب اور ہریانہ وغیرہ ریاستوں میں بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہے۔مسلمانوں کا نیا سال محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے۔ماہِ محرم کی تمام فضیلتوں کو بالائے طاق رکھ کر،یوم عاشورہ کو فراموش کر کے محرم کے نام سے ماہ کی دسویں تاریخ میں تعزیہ کا جلوس دھوم دھام سے نکلتا ہے برعکس اس کے کہ کربلا میں امام حسینؓ نیز اہلِ بیت کی عظیم شخصیتوں کی قربانیوں کو یاد کیا جایے۔بہر حال پہلی جنوری کو نئے سال کی تقریب مناتے وقت جو طوفانِ بدتمیزی چل پڑتا ہے ایسے خرافات کی اجازت ہمارے تہواروں میں نہیں ہے۔دراصل ہمارے عوام ذہنی طور پر مغربی ممالک کے غلام ہو گئے ہیں۔سنا جاتا ہے کہ ان ممالک میں سال کے پہلے دن رات کو خوشیاں مناتے ہوئے سڑکی حادثوں میں ہزاروں افراد لقمۂ اجل بن جاتے ہیں۔ہمارے یہاں بھی شہروں میں خوشیوں کا ماحول رہتا ہے اور ایسی اودھم مچائی جاتی ہے کہ امن پسند انسان رات بھر چین کی نیند کا مزہ نہیں لے سکتے۔بہر کیف افسوس کی بات یہ ہے کہ سالِ نو میں ہر مذہب و ملت کے افراد نیز مسلم نوجوان بھی اپنی نادانی کی بنا پر شامل ہو جاتے ہیں۔

اگر نئے سال کا جشن منانا ہی ہے تو لوگ خود احتسابی سے کام لے کر یہ سوچیں کہ سالِ گزشتہ میں اپنے وطن یا قوم کے لئے کیا کیا اور کیا نہیں کیا۔آنے والے دنوں میں وہ کیا کریں یا نہ کریں۔اپنا محاسبہ خود کریں اور سوچیں اپنی قوم و ملت کدھر جا رہی ہے۔اپنی ماؤں اور بہنوں کا کردار کیا ہوتا جا رہا ہے۔ہمارے درمیان صاحبِ ثروت غرباء کی فلاح و بہبود کے لئے کیا کر رہے ہیں۔اگر صاحبِ ثروت کے بچے انگریزی میڈیم میں پڑھ رہے ہیں تو افلاس زدہ لوگوں کے بچے کیا کر رہے ہیں؟ دین و ملت کے بارے میں کس کے پاس فکر ہے؟ اپنی مادری زبان نیز اردو کے تحت ان کے دل میں کتنی فکر ہے؟ اپنی زبان اردو سے انھیں کتنی محبت ہے؟ انگریزی پڑھنے والے بچوں میں اردو کو مقبول بنانے کے لئے ان کے ماں باپ کیا کر رہے ہیں۔اگر کسی کو ایک سے زیادہ زبان پر عبور ہے تو تعریف کی بات ہے۔اپنی مادری زبان کے ساتھ انگریزی اور دیگر صوبائی زبانوں پر بھی لیاقت حاصل ہو جائے تو برا کیا ہے۔اگر یہ بات نہیں ہوئی تو گویا بچہ خود کو تاریکی کے حوالے کر دے گا۔ناچیز کا یہی ماننا ہے کہ ہر کوئی خود کو علم کے زیور سے آراستہ کر کے اچھا انسان بنے اور یہ عزم کر لے کہ اسے اس دنیا کو کچھ دینا ہے۔اپنی قوم کے ماتھے پر لگے ہوئے جہالت کے دھبّے کو مٹانا اس پر فرض ہے۔اپنی مادری زبان اردو کے تئیں اپنے بچوں کے دلوں میں محبت پیدا کرنا ہر اردو والے پر فرض ہے۔ورنہ یہ آگے چل کر خود فراموشی کی تاریکی میں ڈوب جائیں گے۔نہ دین کے رہیں گے اور نہ ہی دنیا کے۔آیئے اس نئے سال کے موقع پر بجائے جشن منانے کے ہم عزم کریں کہ مقدور بھر اپنی قوم و ملت،زبان و ثقافت نیز ہندوستانیت کی پہچان کو زندہ رکھنے کا عہد کریں۔سہ ماہی ادبی محاذ کے اراکین کی جانب سے سبھوں کو نیا سال کی مبارک باد پیش ہے۔

☆☆☆

حمد و نعت

مہدی پرتا پگڑھی

۲۸/اسکول وارڈ۔ پرتا پگڑھ۔230001

دعا

ہاتھ اٹھاتا ہوں بہرِ دعا — سن لے اے رب مری التجا
دے مجھے اک دلِ باصفا — میں کروں تیری حمد ثنا
تو ہی خالق ہے سنسار کا — تو دو عالم کا فرما رواں
تو صمد یعنی ہے بے نیاز — میں ہوں مجبور و لاچار سا
کھول مجھ پر فراست کے در — مجھ کو علم اور حکمت سکھا
کردے روشن مری زیست کو — کردے اخلاص کی ضو عطا
نورِ ایماں سے مجھ کو نواز — تیرا بندہ ہوں میں اے خدا
کر عطا اپنا لطف و کرم — تیرے در پر ہوں میں آپڑا
دے شعور اور ادراک دے — بندگی کا کروں حق ادا
تیرے بندوں کی خدمت کروں — مجھ کو کر ایسی ہمت عطا
شر سے دنیا کے مجھ کو بچا — سن لے اے رب مری التجا

منیر سیفی

Mob-9835268274

میرے پیچھے پڑی ہے ہر تباہی یا رسول اللہ
جہاں جاؤں وہیں ہے بے پناہی یا رسول اللہ
مجھے لے ڈوبی دنیا کی ادا ہی یا رسول اللہ
بہت روشن ہے میری روسیاہی یا رسول اللہ
گنہگاروں کا تو سب سے بڑا سردار میں ہی ہوں
کیا کرتا ہوں ان کی سربراہی یا رسول اللہ
میں سر سے پاؤں تک ڈوبا ہوا ہوں بحرِ عصیاں میں
بنی دنیا ہی اتنی خوش نما ہی یا رسول اللہ
شجر سے گر کے برگِ خشک اڑتا ہے خلاؤں میں
مخالف ہے جو دنیا کی ہوا ہی یا رسول اللہ
مریضِ ہجر ہے کہ دن بہ دن گھلتا ہی جاتا ہے
دوا کچھ کام آئی نہ دعا ہی یا رسول اللہ
بتا دیجے کہ در سے اٹھ کے جاؤں تو کہاں جاؤں
جگت میں ہے یزیدی بادشاہی یا رسول اللہ
سگِ ہندوستاں جو آپ کی دہلی میں بیٹھا ہے
اسے دے دیجئے کچھ آسرا ہی یا رسول اللہ
کہے ہے جمرۂ عقبہ بھی اب سیفیؔ منافق ہے
کب افشا ہوگی میری بے گناہی یا رسول اللہ

سید خادم رسول عینیؔ

UnionBankOfIndia
BhusawalBranch.Dt:Jalgaon
Mob-9628721999

زیست اپنی بے خطر ہوجایے گی
ان کی جب مجھ پر نظر ہوجایے گی
رب نے ایسا وصف بخشا ہے انھیں
ان کو ہر شے کی خبر ہوجایے گی
جس پہ ان کا فیض ہو وہ شخصیت
بے ہنر سے با ہنر ہوجایے گی
لے کے ان کا نام انگوٹھا چوم لوں
پیرویٔ بوالبشر ہوجایے گی
بحرِ عشقِ مصطفیٰ میں ڈوب جا
فکر تیری ذی اثر ہوجایے گی
شاہ کے آبِ دہن سے یادداشت
تیز سے بھی تیز تر ہوجائے گی
عینیؔ جو ان کے اشارے پر چلے
ذات اس کی بااثر ہوجائے گی

سید اسلم صدا آمری

No:32B,MaroofSahebStreet
MountRoad.Chennai-600002
Mob-9445752605

نعتِ پاک

جنت کی آرزو نہ تمنا ہے حور کی — ہاں آرزو مدینے کی ہم نے ضرور کی
ایمان کی حلاوتیں اس کو نصیب ہیں — جو دل میں گھر بنالے محبت حضور کی
دنیائے حسن و معنی کا تو آفتاب ہے — میرا وجود ایک کرن تیرے نور کی
عالم تمہارا عالمِ بالا سے بالا تر — دنیا ہماری ساری ہے فسق و فجور کی
بے شک تو ہم پہ منتِ پروردگار ہے — ممنون کائنات ہے تیرے ظہور کی
ماہِ مبین اپنے اجالوں میں دے پناہ — حالت چکور سی ہے دلِ ناصبور کی

اس کی حقیقتیں جو ہوئیں مجھ پہ رونما
تصویر اس نے میری صداؔ چور چور کی

سبطین پروانہ

دیلا پور۔ سالماری۔ کٹیہار
بہار

ترے نقشِ کفِ پا پر جبینِ دل جھکاؤں گا
دیارِ فیض کا آقا بھکاری ہوں ازل سے میں
مری بزمِ تصور میں ترے الطاف پیہم ہیں
مقدر ہے بلندی پر تمہارے فیض سے آقا
بلا لو مجھ کو روضے پر میں اپنی جان واروں گا
عقیدت سے میں چوموں گا وہاں کے ذرے ذرے کو

ترے دربارِ عالی کو تصور میں بساؤں گا
یہاں بھی بھیک پاتا ہوں وہاں بھی بھیک پاؤں گا
تری رحمت کے سایے زندگی کے دن گزاروں گا
بلا لو مجھ کو روضے پر میں اپنی جان واروں گا
عقیدت سے میں چوموں گا وہاں کے ذرے ذرے کو
کبھی جو اس دیارِ حسن میں پروانہؔ جاؤں گا

گوشۂ احباب

(مراسلہ نگار سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں)

☆**علیم صبا نویدی (چنئی)**

''ادبی محاذ'' جولائی تا ستمبر ملا۔ شکریہ۔ ادبی محاذ کے اداریے ''محاذ اول'' میں بعنوان ''جنھیں ناز ہے ہند پر'' میں قاضی مشتاق احمد نے لسانی تناظر میں نریندر مودی سرکار کے حوالے سے ہندی زبان کو لازمی قرار دئے جانے کے حال احوال کا مفصل احاطہ کیا ہے جس کا کینوس برٹش انڈیا سے لے کر موجودہ مودی سرکاری والے بھارت تک ہے۔

آپ کا کہنا برحق ہے کہ ہندی زبان کو لازم وملزوم قرار دئے جانے کے سرکاری اعلانات کا جہاں تک میرا تجزیہ ہے شمال تک ہی محدود ہے۔ تمل ناڈ، کرناٹک، اور کیرالہ میں ہندی کے خلاف شدت سے مظاہرے ہوتے رہے ہیں، بالخصوص تمل ناڈو میں آج بھی اس کا سلسلہ جاری ہے۔ لسانی موضوع سے ہٹ کر آپ نے سترھویں لوک سبھا کے نومنتخب ممبران کی جانب اپنے قلم کو موڑ لیا اور اس حقیقت کو واضح کیا کہ پارلیمنٹ ایک منی دھرم سبھا کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ جہاں تک ہندی کے تعلق سے میرا تجزیہ ہے کہ آج کی اختیار شدہ ہندی وہ سنسکرت آمیز ہندی نہیں رہی جو کبھی ہندی پرچار سبھاؤں میں بولی، پڑھی اور لکھی جاتی تھی بلکہ آج کی ہندی اردو کے لسانی پیکر کے ایک تہائی حصہ میں ڈھل چکی ہے۔ سماچاروں، فلموں اور ٹی وی سیریلوں میں ہندی شبدوں کی جگہ اردو الفاظ نے اپنا روپ رنگ اختیار کر لیا ہے۔ یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ آج بولی جانے والی زبان نہ خالص ہندی ہے اور نہ اردو۔ میر و غالب نے اس زبان کو ہندی ہی کہا ہے۔

الحاصل تبصرہ میں آپ نے آنند نارائن ملاؔ کے ایک شعر کے ساتھ اپنے اداریے کا اختتام کیا ہے۔ اس شعر کو یوں ترمیم کر لیں تو زیادہ بہتر ہے:

ہندو بنا دیا اسے مسلم بنا دیا۔ اک صلح کا پیام تھی اردو زباں کبھی

اُمید ہے آپ بہ ہمہ وجوہ اچھے ہوں گے۔

☆**عبدالحیٰ پیم انصاری (گورکھپور)**

ادبی محاذ برائے اکتوبر۔ دسمبر ۱۹ء خوبصورت سرورق کے ساتھ باصرہ نواز ہوا۔ بیک کوور پر سے ادبی محاذ کی سرگرمیوں سے واقفیت ہوئی۔ یادوں کی دہلیز سے شکیل دسنوی مرحوم کی غزل اچھی لگی۔ قاضی مشتاق احمد کا ''محاذِ اول'' بےغرض سکھ بھائیوں کا ایک قابلِ تعریف کارنامہ ہر مذہب کے ماننے والوں کے لیے سبق آموز ہے اور فرقہ پرست عناصر کے گال پر تماچہ بھی۔ عبدالمتین جامیؔ کا ''آج کا انہدام پذیر معاشرہ'' دعوتِ فکر دیتا ہے۔ اخلاقی قدروں کو بچانے کے لیے ہلکی سی کوشش بھی لائقِ ستائش ہے۔ باقی مشمولات بھی پسند آیے۔ میری غزل شائع کرنے کے لیے شکر گزار ہوں۔ ☆☆☆

حیرتؔ فرخ آبادی
KhoslaHouse.NorthOfficePara
Doranda.Ranchi-834002

ایک غزل

عجب کہرام برپا ہورہا ہے — زمانہ خوں کے آنسو رو رہا ہے
جدھر دیکھو اُدھر رقصاں تباہی — کوئی کچھ تو کہو کیا ہورہا ہے
اندھیرا اوڑھ کر اک کالی چادر — زمانے بھر میں کیا کچھ ہو رہا ہے
مسلماں ہو کہ عیسائی یا ہندو — ہر اک بس نیند گہری سو رہا ہے
چلو اک بار چل کر ڈوب جائیں — یہ پانی سر سے اونچا ہو رہا ہے
زمانے کی روش، بدحال انساں — کرے کیا زندگی کو ڈھو رہا ہے
کسی کے شعر میں جدت بلاغت — کوئی زخموں کو دل کے دھو رہا ہے
یہ آنسو یوں ہی بہہ جائیں گے حیرتؔ — جو ہونا تھا وہی سب ہو رہا ہے

سید نورالحسن نورنوابی عزیزی
MuzaMUgraMauP.O: Itaili.
Dist:Fatehpur.Haswa-212652

ایک غزل

یہ کون سرِ بزمِ جنوں آیا ہوا ہے — ایوانِ خرد خوف سے تھرّایا ہوا ہے
آئینہ ملاتا نہیں اب مجھ سے نگاہیں — کیا بات ہے کس بات پہ شرمایا ہوا ہے
پھولوں کی زباں پر ہے بہت تذکرہ جس کا — وہ رنگ گلستاں میں مرا لایا ہوا ہے
ہر موڑ پہ ہیں بکھرے ہوئے خوف کے سایے — ماحول مرے شہر کا گرمایا ہوا ہے
صحرا کے لبِ خشک ابھی تک نہ ہوئے تر — مدت سے مگر ابرِ کرم چھایا ہوا ہے
سن رکھے ہیں قصے مری آشفتہ سری کا — دریا بھی مرے سامنے گھبرایا ہوا ہے

اک پھول سے اے نورؔ ہے روشن مری دنیا
اک پھول نے احساس کو مہکایا ہوا ہے

منظومات

محمودہ خانم
Deptt.Of Hindi.Kidderpore
2&3PitamabarCircarLane.
Kolkata-700023.Mob-8240576859

کربِ محبت

میرے ہاتھوں کی لکیروں میں
نہ مودر میں تم ہو
تمہاری دھڑکن میں میں نہیں
میری دھڑکن میں تم ہو
ٹھکرا کر اگر مجھے
تم جی پایے تو میں بہت خوش ہوں
تم نے لائق مجھے نہ سمجھا
کب اتنی میں بری ہوں
میرے الفاظ لرز رہے ہیں
تمہیں کیسے میں بتاؤں
اس احساس کو سمجھانے والے
وہ گیت کہاں سے لاؤں
میری روح تڑپ رہی ہے
اور دل ہوا سوالی
کاش کوئی آ کے بھر دے
میری ہتھیلی خالی
تم سے الگ بھلے ہی
تم سے جدا نہیں میں
تم دو درد چاہے جتنا
تم سے خفا نہیں میں
جو بھی کہا ہے میں نے
تم بھلے نا منظور کرنا
اتنی التجا ہے میری
نہ میری محبت کو رسوا کرنا

☆☆☆

اظہر نیر
At Barhulia.Via Kansi Simri
Dist: Darbhanga-847106(Bihar)
Mob-9939749452

ہجرت

بربریت، تشدد کا سلسلہ جاری ہے
ظلم و ستم و نسل کشی جاری ہے
ہر طرف ہجرتوں کا سفر جاری ہے
قطار در قطار سفر جاری ہے
ظلم و تشدد کا بازار کب تک رہے گا
بھاگ رہے ہیں لوگ
جیسے پھٹنے والا آتش فشاں
سفر در سفر بھی زیرِ تلوار ہیں
پھر کہاں کا سفر کریں گے لوگ
وہاں کی زمین بھی تنگ ہونے لگتی ہے
دیواروں کے سایے بھی
سکوں کہاں
اس کے سایے بھی شعلہ فشاں ہیں
پھر کہاں ہجرت کروں میرے مالک
بہتر ہے موت ہی آ جایے
مگر یہ بھی کہاں نصیب میں
شاید میرے لیے زمین تنگ ہو گئی ہے
تشدد کا سلسلہ آخر کب تک جاری رہے گا؟
کب تک ہجرتوں کا سفر جاری رہے گا؟

صابر ادیب
35,Gulkada.Opp:KachhiMasjid
Shahjahanabad
Bhopal-462001(M.P)

نوحۂ اردو

نوٹ۔ لام الف استعارہ ہے نفی کا

مکاں لام الف سائباں لام الف
کہاں جا کے رہئے اماں لام لاف
نہ ہندی، نہ انگلش، نہ بنگلہ زباں
فقط میں ہی اردو زباں لام الف
دیارِ سخن میں، میں ہوں بھی تو کیا
سخن داں نفی، قدرداں لام الف
لکھے جایئے بس لکھے جایئے
ہے پڑھنا پڑھانا یہاں لام الف
دیارِ کتب میں کتب ہیں کہاں
کتب ہیں اردو زباں لام الف
وہ اردو ادارے ہوں یا مجلسیں
ہم ہی ہم، تم ہی تم زباں لام الف
میں فنکار مجھ سے یہ اردو کہے
میں زندہ تو ہوں میری جاں لام الف
بہت میری چاہت لگاوٹ مگر
غرض کے سبب عز و شاں لام الف
'غرض' کے سبب ہی برا حال ہے
ملول و حزیں داستاں لام الف
کروں بھی شکایت تو کیسے کروں
میں ہوں جاں بلب دل جواں لام الف
یقیں کیجئے میں ہوں اردو زباں
قبا میری اردو لساں لام الف
پڑھو بھی لکھو بھی مجھے اس لیے
کہ میں ہوں نہ جاؤں میاں لام الف
شکایت، حکایتِ، گلے سب فضول
نہ اردو نہ صابر میاں لام الف

گوشۂ بلال رازؔ

سوانحی اشارے

سوانحی خاکہ

اصل نام۔محمد بلال خاں
تخلص۔رازؔ
ولدیت۔محمد اسلم خاں
پیدائش۔۵/اپریل۱۹۹۴ء
مقامِ پیدائش۔کانکرٹولہ پرانا شہر بریلی (یوپی)
تعلیم۔ایم کام،ایم اے(اردو)
ذریعۂ معاش۔ملازمت
آغازِ شاعری۔۲۰۱۰ء
تلمذ۔جناب اسرارنسیمی صاحب
شعری مجموعے۔غزل اور نعت کے دو مجموعے زیرِ اشاعت
ازدواجی زندگی۔غیر شادی شدہ
ادبی سرگرمیاں۔حمد ونعت،سلام ومنقبت،غزل،قطعہ وغیرہ میں طبع آزمائی،شہر و بیرون شہر کے مشاعروں میں شرکت
اخبار ورسائل میں کلام کی اشاعت،آکاشوانی بریلی،رامپور دوردرشن لکھنؤ سے کلام کی نشریات۔
سکونت۔کانکرٹولہ پرانا شہر بریلی (یوپی)۲۴۳۰۰۵
موبائل۔08954567427
E.mail-bilalraz@gmail.com

ایک تعارف

بلال رازؔ بریلوی عہدِ حاضر کے ایک جواں فکر شاعر ہیں۔شعری سفر ۱۹۹۴ء سے جاری ہے۔تقریباً دو دہائیوں پر محیط اس قلیل عرصے میں انھوں نے اس قدر شعری اثاثہ جمع کرلیا ہے کہ دو مجموعے اشاعت کے لیے تیار ہیں۔اکثر دیکھا گیا ہے کہ زود گوئی میں خس وخاشاک بھی شامل ہوجاتے ہیں۔لیکن بلال رازؔ کی شاعری اس سے پاک وصاف ہے۔آخر کیوں نہ ہو انھیں حضرت اسرار نسیمی جیسے استاد شاعر کی رہنمائی حاصل ہے۔چنانچہ ان کی شاعری سرخروئی سے ارتقائی منزلیں طے کرنے لگی ہے اور امید ہے کہ بہت جلد ان کا شعری مجموعہ بھی منظرِ عام پر آجائے گا۔

کہتے ہیں کہ شاعری اکثر وبیشتر شاعر کی شخصیت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔اس نظریئے سے دیکھیں تو بعض اشعار میں ان کی شخصیت کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔ان کے یہ دو شعر ملاحظہ فرمائیں:

مری سرشت محبت مرا پیام وفا۔زمانہ کچھ بھی کہے مجھ کو پیار کرنا ہے
تمام لوگ ہیں اولاد ایک آدم کی۔یہ ذات پات کے جھگڑے عجیب لگتے ہیں

ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ موصوف فطرتاً خلیق اور ملنسار واقع ہوئے ہیں اور ساتھ ہی ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا بھی استوار کرنا چاہتے ہیں۔ان کے اس خیر سگالانہ جذبے کے اعتراف میں بزم میر وغالب انھیں سپاس نامہ پیش کرچکی ہے۔کچھ دیگر اداروں نے بھی انھیں اعزاز سے نوازا ہے۔اس کے علاوہ فیس بک آن لائن فی البدیہہ مشاعرے میں حصہ لے کر حاصلِ مشاعرہ کی سند بھی حاصل کرچکے ہیں۔

ان کی شاعری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت کی پاسداری عزیز ہے اس لئے لفظوں کی شعبدہ بازی نہ کرکے سادہ اور سلیس زبان میں اپنے تجربات ومشاہدات کو شعری لباس عطا کرتے ہیں۔ان کی شاعری میں جمالیات کی شبنمی ٹھنڈک بھی ہے تو آج کے دورِ پرآشوب کی کسک بھی محسوس کی جاسکتی ہے نیز ان کی شاعری کا تیور ان کے روشن مستقبل کا پتہ دیتا ہے۔

ہم شکر گزار ہیں فیضی سمبلپوری،عبدالمتین جامیؔ،شارق عدیلؔ،ایم نصراللہ نصرؔ،منیر سیفیؔ،صابر ادیبؔ،ڈاکٹر محمد حسن قادری،سید وحید القادری،ہدایت اللہ شمسی اور ڈاکٹر سید غلام ربانی ایازؔ صاحبان کے جن کی گرانقدر نگارشات نے اس گوشے کو دلکش خدوخال عطا کیا ہے۔

سید نفیس دسنوی

عبدالمجید فیضیؔ
12/106نیاپاڑا۔سمبلپور۔768001
موبائل۔9778291038

فن وشخصیت

بلال رازؔ بریلوی ایک اُبھرتا ہوا نوجوان شاعر

رازؔ بریلوی ایم۔کام اور ایم۔اے (اردو) کے امتحانات پاس کرنے کے بعداردو میں پی ایچ ڈی کی تیاری کر رہے ہیں۔اس کے ساتھ قانون کی تعلیم بھی جاری ہے۔ سر دست ذریعۂ معاش غیر سرکاری ملازمت ہے۔اس کے علاوہ وکلاء کے ہمراہ کچہری کے مختلف کاموں میں بھی دلچسپی لیتے ہیں۔ان تما مصروفیات کے باوجود شاعری میں بھی طبع آزمائی جاری ہے۔

انھیں مشہور ومعروف ماہرفن سخن شاعر حضرت اسرآرنسیمی بریلوی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔حضرت اسرارنسیمی بریلوی ریٹائرڈ ہائی اسکول ٹیچر ہیں۔ نیزسرِ دست عدالتوں میں بہ حیثیتِ وکیل برسر روزگار ہیں۔اس طرح نو جوان شاعرمحمد بلال خاں راز بریلوی کومشقِ سخن کے ساتھ قانون دانی کے باب میں بھی حضرت اسرارنسیمی سے رہنمائی حاصل ہوا کرتی ہے۔

موصوف کی عمرابھی ۲۵ رسال ہے۔انھوں نے ۲۰۱۰ء میں شعرگوئی کا آغاز کیا۔محض نو سالہ مختصر مدت میں غزلوں،حمدوں اور نعتوں کے دو مجموعے مرتب کر لیے ہیں جو سرِ دست زیرِ طباعت ہیں۔بہ حیثیتِ شاعر بریلی اوراس کے گردونواح کے مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں۔ نیز آکاش وانی رام پور، بریلی اور دوردرشن لکھنؤ کی نشریات میں موصوف کے کلام شامل ہوتے ہیں۔

اگر چہ محمد بلال رازؔ بریلوی حمد،نعت،منقبت،سلام،غزل، قطعات وغیرہ مختلف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں مگر روایتی ہیئت میں کلام موزوں کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔جدیدیت کی ہوا انھیں ابھی تک نہیں لگی ہے۔خصوصاً عشق ومحبت، ہجر ووصال، وفا شعاری وغیرہ موضوعات موصوف کے کلام کی زینت ہوا کرتے ہیں۔تاہم عصری تقاضوں کے تحت معاشرتی وسماجی مسائل اور سیاسی امور بھی موضوعاتِ سخن میں شامل ہیں۔موصوف کے کلام پر طائرانہ نظر ڈالنے سے پہلے چند متقدمین کے کلام اور آراء پیش کرنا بہتر سمجھتا ہوں۔

حمدونعت کے باب میں حضرت مظہر جانِ جاں فرماتے ہیں۔

خدامدّاحِ مصطفےٰﷺ بس۔ محمد حامد حمدِ خدا بس

علی الخصوص نعتِ مصطفےٰﷺ کے سلسلے میں حضرت علیؓ کا قول قابل توجہ ہے۔

عَنْ ذکرك وَصْفِهِ جَاهِلٌ
وَبقصْرِ فَهْمِهِ قَاتِل
اَللّٰه يَعْلَمُ شانَه
وَهُوَالْعَلِيمُ بيانَهٗ

مفہوم:حضوراکرمﷺ کےاوصافِ حسنہ کےادراک سے مدّاح قاصر ہےاوراپنی لاعلمی کا قائل بھی۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ ہی آپ کی شانِ والا کاعِلم رکھتاہےاورصحیح معنیٰ میں آپ کی توصیف فرماتا ہے۔

نعتِ رسول پاکﷺ

تھے کائنات سے پہلے مرے حضور مگر
یہ کائنات نہیں تھی حضور سے پہلے
مجبوروں بےکسوں کا مددگار کون ہے
غمگین سارے لوگ ہیں غمخوار کون ہے
نہیں کچھ واسطہ اس کو خدا سے۔جسے نسبت نہیں ہے مصطفےٰؐ سے
درودِ پاک کو کرلو وظیفہ۔دعاؤں میں اثر بھرپور ہوگا
انسان کے بس کی بات کہاں جو سمجھ سکے

بس رب ہی جانتا ہے حقیقت حضورؐ کی
ایسا نظامِ زیست جہاں میں کہیں نہیں
دیتی ہے جو نظامِ شریعت حضورؐ کی

احتیاطوں کا تقاضا اس میں ہر اک گام ہے
نعت کے اشعار کہنا سب سے مشکل کام ہے
چوم لیتے ہیں عقیدت سے خود اک دوجے کو لب
کس قدر میٹھا محمد مصطفیٰ ﷺ کا نام ہے

جسے کہتے ہیں قرآنِ مبیں سب ۔ مرے آقا کا زندہ معجزہ ہے

لاکھ پڑھ لیجئے نمازیں، لاکھ حج کر لیجئے
اُلفتِ آقا نہیں ہے تو سب بیکار ہے

مرزا اسداللہ خاں غالبؔ فرماتے ہیں:

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد ﷺ است

امام احمد رضا خاں کا قول ہے:

تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں اپنے عیبوں پہ کہ کیا کیا کہوں مجھے

جگن ناتھ آزادؔ نے سفرِ حجاز کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کو ایک خط میں لکھا تھا ''اگر اردو اور فارسی کے نعتیہ کلام کے نادر نمونوں کو جمع کیا جائے تو ہمارا اندازۂ نقطہ نظر ایک بالکل نئے باب سے آشنا ہو''۔

مندرجہ بالا حوالہ جات پیش کرنے کی غرض و غایت یہ ہے کہ حمد و نعت کو موضوعِ سخن بنانے کیلئے متقدمین کے خیالات و آراء کی پیروی اور قرآن و احادیث کی تعلیمات کو ذہن نشین کرنا چاہئے۔ خصوصاً نعت میں غلو کا شائبہ نہ ہو۔ نہ ہی شرک کا اشتباہ، نیز اہانتِ رسولِ کریم ﷺ کا امکان ہرگز نہ ہو۔ غرض بے حد احتیاط کے ساتھ نعت کہی جائے۔

اب محمد بلال خاں رازؔ بریلوی کے اشعار کے چند نمونے درج کئے جاتے ہیں ۔ قارئین کرام موصوف کے اندازِ کلام اور معیارِ بیان کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ حمد باری تعالیٰ سے ماخوذ:

ہر چھپی شئے کو دیکھتا ہے تو ۔ دل کے بھیدوں سے آشنا ہے تو
جس کا کوئی نہیں زمانے میں ۔ یا خدا اس کا آسرا ہے تو

ہم گنہ گار ہیں مگر پھر بھی ۔ نعمتوں سے نوازتا ہے تو

اس سے اندازہ لگالو مصطفیٰؐ کی شان کا
جو ہے سردارِ ملائک ان کا خدمت گار ہے

نعتیہ قطعہ:

سکوں، آرام، تسکیں، چین، راحت ہے مدینے میں
کہیں بھی جو نہ پاؤ گے وہ دولت ہے مدینے میں
سمجھ میں یہ نہیں آیا کسی کو راز یہ اب تک
کہ جنت مدینہ ہے یا جنت ہے مدینے میں

منقبت سید الشہداء اور امام حسین عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ماخوذ:

چراغِ طیبہ و حرم کا کیا کہنا
شبیہہ حضرتِ شاہِ اُمم کا کیا کہنا
ادب سے اولیا چلتے ہیں سر کے بل اس پر
مرے حسینؓ کے نقشِ قدم کا کیا کہنا

غزلوں کے منتخب اشعار:

جو دوستی کا رشتہ بنا کر دغا کرے
ایسے بشر کا کوئی بھروسہ بھی کیا کرے
چہرہ ہی صاف کرنے میں اے رازؔ یہ بشر
دل کو بھی صاف کر کے کوئی آئینہ کرے

☆

بھیڑ میں لوگوں کی آواز اٹھانے کے لئے
حوصلہ چاہئے آواز اُٹھانے کے لئے
دین انسان کی بھلائی کے لئے آیا تھا
رہ گیا اب یہ فقط کھانے کمانے کے لئے

☆

محبت کرنا نادانی ہے لیکن ۔ بڑی پیاری یہ نادانی لگے ہے
محبت اب کہاں وہ پہلی والی ۔ کہ اب ہر عشق جسمانی لگے ہے

☆

(بقیہ صفحہ 14 پر)

عبدالمتین جامیؔ

اردو بازار پدم پور کٹک (اڈیشا)

موبائل۔9935905926

ایک جواں فکر شاعر محمد بلال رازؔ

اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے شاعری کے فن سے نوازتا ہے۔ پیدائشی طور پر نہ تو کوئی شاعر ہوتا ہے اور نہ فن کار۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مستقبل کا شاعر یا مصور عہدِ طفلی میں ہی کاغذ اور پنسل سے کھیلتا رہتا ہے۔ اِدھر اُدھر ٹیڑھی میڑھی لکیریں کھینچ کر وقت گزارنے کی کوشش کرتا ہے۔ اب میں بحکم مدیر اعلیٰ ادبی محاذ محترم سعید رحمانی صاحب ایک کمسن شاعر پر کچھ تعارفی جملے تحریر کرنے چلا ہوں جس کی عمر صرف ۲۶ رسال ہے۔ شاعری کی ابتدا ۱۶ رسال کی عمر میں کی۔ صرف دس سال میں اتنی غزلیں کہہ لیں کہ اب ایک مجموعہ کا مواد جمع ہوگیا۔ تقدیسی شاعری کا بھی ایک مجموعہ شائع ہونے کے لئے تیار ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ بلال رازؔ کو ایسا لگتا ہے شعر کے آہنگ پر بھی عبور حاصل ہونے کے علاوہ زبان و بیان کی نزاکت پر بھی مکمل دسترس ہے۔ کیوں نہ ہو؟ جب کہ انھوں نے ایم۔ کام کے علاوہ اردو میں بھی ایم۔ اے کیا ہے۔ اسرار نسیمی صاحب جو کہ اچھے فن کار ہیں' ان کی صحبت میں رہ کر انھوں نے یقیناً بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ ناچیز کو ان کے کلام پر چند حروف درج کرنے کا حکم ہے۔ لیکن صرف دس غزلوں کا مطالعہ کر کے کسی کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنا کارِ دشوار ہے۔ چند متفرق اشعار بھی درج کر دیئے ہیں۔ لیکن ان میں ایسے بھی شعر ہیں جو درج کردہ غزلوں میں شامل ہیں۔ ناچیز بھی کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے قاصر ہے کہ وہ کہاں سے شروع کرے اور کہاں چھوڑے۔

بہر حال راقم الحروف کو تمام حاصل شدہ مواد کے مطالعہ سے یہی اندازہ لگا کہ ان کی شاعری کا زیادہ تر حصہ تقدیسی شاعری کے زمرے میں جاتا ہے۔ اشعار ناصحانہ بھی ہیں، دین داری میں تصنع پر بھی تنقید ہے، رسول پاک ﷺ کے تئیں بے پناہ عقیدت اور اللہ پاک کی بندگی کا اظہار بھی۔ لیکن تمام عقائد کے اظہار میں کسی طرح کی انفرادیت کا احساس نہیں ہوا۔ ایک شعر دیکھیں:

دین انساں کی بھلائی کے لئے آیا تھا
رہ گیا اب یہ فقط کھانے کمانے کے لئے

جو حقیقی معنوں میں دین داروں پر اس طرح کی تنقید درست نہیں لگتی۔ ہاں! دنیا میں خود غرض انسانوں کی کمی نہیں ہے لیکن اس طرح کا وار اچھی بات نہیں لگتی۔

ایک نعتیہ شعر قابل تحسین ضرور ہے، لیکن اس میں نئی بات نظر نہیں آئی کیونکہ اس موضوع پر دیگر شعرا کے یہاں بھی بیشتر اشعار مل جاتے ہیں:

اس کو منظور حفاظت ہے تو تالے کیا ہیں
جالا مکڑی کا ہی کافی ہے بچانے کے لیے

چند اشعار میں بہت ہی ان کے مطہرہ جذبات کی خوبصورت عکاسی ہوئی ہے۔ مثلاً:

خلیفہ رب کا بنایا گیا ہوں ۔ فرشتوں سے بھی منوایا گیا ہوں
یہ دنیا میرا اصلی گھر نہیں ہے ۔ میں جنت سے یہاں لایا گیا ہوں

بعض اشعار کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اپنی پڑھائی کے دوران انھوں نے اساتذہ کا بہت مطالعہ کیا ہے۔ اس لیے ان کے یہاں وارداتِ حسن و عشق پر مبنی اشعار بھی مل جاتے ہیں۔ یہ شعر دیکھیں:

وہ جو آئے تو پڑ گئی پھیکی ۔ سب چراغوں کی روشنی کل رات

اس شعر میں میر تقی میرؔ کا عکس نمایاں نظر آتا ہے جن کا یہ شعر بہت معروف ہے: نے بھی اپنے انداز سے کہا تھا۔

وہ آئے بزم میں بس اتنا میرؔ نے دیکھا
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

اس خیال کو شعری جامہ پہنانے میں بلال رازؔ نے جو ایجاز و اختصار سے کام لیا ہے وہ قابل تعریف ہے۔ اس طرح کے اشعار کو توارد یا چربہ کہنا زیادتی ہوگی البتہ اس استادے کا شعر کہہ سکتے ہیں۔ ذہن نشین رہے کہ میرؔ ۱۸ ویں صدی کے شاعر تھے اور ہم اکیسویں صدی میں سانس لے رہے ہیں جس میں انسان گونا گوں مسائل سے دوچار ہے اور مصروف بھی اس قدر ہے کہ

؎ بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوے

کے لئے اس کے پاس فرصت نہیں۔ اسی لیے فیض احمد فیضؔ نے کہا ہے

کہ ''اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا''۔

اس ضمن میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ بلال رآز بھی اپنے گرد ونما حالات سے آشنا ہیں جس کا عکس ان کے بعض اشعار میں دیکھا جاسکتا ہے۔ صرف ایک شعر پیش ہے:

پیٹھ پر ہوتے ہوئے وار سے ڈر لگتا ہے
اب تو دشمن سے نہیں یار سے ڈر لگتا ہے

جدید معاشرے کا یہ بھی ایک المیہ ہے کہ انسانوں کے درمیان تشکیک کی دیوار حائل ہوچکی ہے۔ سب ایک دوسرے کو شک کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اس لیے کہ پتہ نہیں کون کس پر وار کردے۔ ایک اور شعر پیش ہے جس میں حالات کے جبر کی اچھی عکاسی ہوئی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

کس کو مظلوم بنادے کسے کہہ دے ظالم
آج کے دور کے اخبار سے ڈر لگتا ہے

موصوف کی غزلوں میں طنز کے نشتر کی چبھن بھی محسوس کی جاتی ہے۔ مثلاً

اس کو سونپی گئی لشکر کی سپہ سالاری
جس کو میدان میں تلوار سے ڈر لگتا ہے
کبھی میں قیس سے مجنوں بنا کر
گلی کوچوں میں پھروایا گیا ہوں
تری باتیں کسی نیتا کی طرح لگتی ہیں
صرف وعدے ہی کیے تو نے کیا کچھ بھی نہیں

جہاں تک موصوف کی تقدیسی شاعری کی بات ہے تعریف کرنا پڑے گی کہ انھوں نے اپنے عقیدت مندانہ جذبات کو بڑے ہنر مندی سے شعری پیرہن عطا کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

چوم لیتے ہیں عقیدت سے خود اک دوجے کو لب
کس قدر میٹھا محمد مصطفیٰؐ کا نام ہے
انسان کے بس کی بات کہاں جو سمجھ سکے
بس رب ہی جانتا ہے حقیقت رسولؐ کی

اخیر میں کہنا چاہوں گا کہ رآز صاحب ایک اُبھرتے ہوئے شاعر ہیں۔ اگر وہ روایتی اردو شاعری کے دو بدو جدید تر دور کے معروف شعرا کے کلام کا مطالعہ کرتے رہیں اور مشاعروں میں پڑھے جانے والے اشعار سے اثرات قبول نہ کریں اور اس اصول پر گامزن رہیں کہ ''وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں''۔ تو حتمی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ بلال راز بریلوی ایک دن اس قدر اونچائی تک پہنچ جائیں گے کہ ان کو دیکھنے والوں کی ٹوپیاں سر سے نیچے آگریں گی۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ ☆☆☆

(بلال راز بریلوی ایک ابھرتا ہوا نوجوان شاعر کا بقیہ)

بے قراری ہے اشک جاری ہے
بس یہی زندگی ہماری ہے
یہ تکبر تمھیں مبارک ہو
اپنا مسلک تو خاکساری ہے

ان کی آنکھوں سے ایسی پی کل رات۔ مٹ گئی ساری تشنگی کل رات
نیند میں اس کو جس گھڑی دیکھا۔ نیند آنکھوں سے اُڑ گئی کل رات

☆

جیسا بھی ہوں مگر مرے مولا
تیرا بندہ ہوں تو کرم کردے

☆

ہم نے جس پر بھی اعتبار کیا۔ پیٹھ پیچھے اسی نے وار کیا
وہی نکلا جان کا دشمن۔ دوستوں میں جسے شمار کیا
تیری باتیں کسی نیتا کی طرح لگتی ہیں
صرف وعدے ہی کیے تو نے کیا کچھ بھی نہیں
پیچ وخم زیست میں ہونا بھی ضروری ہے بہت
زندگی ایک سی جینے میں مزا کچھ بھی نہیں

☆

پیٹھ پر ہوتے ہوئے وار سے ڈر لگتا ہے
اب تو دشمن سے نہیں یار سے ڈر لگتا ہے
ساغر و جام نہ میخوار سے ڈر لگتا ہے
صاحبِ جُبّہ و دستار سے ڈر لگتا ہے

وفا، اخلاص، ہمدردی، محبت۔ یہ سب باتیں کتابی ہوگئی ہیں

امید ہے کہ حضرت اسرار نسیمی کی رہنمائی میں نوجوان اُبھرتا ہوا شاعر ممارست ومزولت جاری رکھ کر شعر گوئی میں اپنا مقام بنانے میں کامیاب ہوگا اور زبان وادب کی خدمت سے شعر وادب کو فروغ دینے کی کوشش کرے گا۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں۔ آمین باد

☆☆☆

شارق عدیل
MohallaChobdar
Po,Marhera
Dist.Etah-207401(U.P)

محمد بلال خاں رازؔ کی غزلیہ شاعری پر ایک نظر

محمد بلال رازؔ ایک پڑھے لکھے جواں سال شاعر ہیں۔کہنہ مشق شاعر اسرار نسیمی کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ان کے دو شعری مجموعے طباعت کی منزل سے گزرنے کے لیے بےتاب ہیں۔

حالانکہ ان کی شعری عمر ابھی اتنی نہیں ہے کہ ان پر کوئی گوشہ ترتیب دیا جائے لیکن محترم سعیدؔ رحمانی کی نظر میں نئے لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ نئے لوگوں کے کلام کی حوصلہ افزائی گوشے کی اشاعت کی صورت میں کی جائے تا کہ اردو زبان وادب کی راہوں میں نئی نئی شعری چھلیں مسلسل سنائی دیتی رہیں۔

حضرت بلال رازؔ کا کلام رسائل و جرائد میں کبھی کبھار کسی صورت میں ہی نظر سے گزرتا ہے۔لیکن وہ مشاعرے خوب پڑھتے ہیں اورعوام کے شعری ذوق کے ساتھ خواص کو بھی اپنے کلام سے مطمئن کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔آج کل لوگ مشاعروں کے گرتے ہوئے معیار کے حوالے سے گفتگو زیادہ کرنے لگے ہیں۔اور یہ سوچنے کے لیے ان کے پاس قطعاً وقت نہیں ہے کہ مشاعروں کی گرتی ہوئی معیار کا ذمہ دار کون ہے؟

سو اس حوالے سے صرف اتنا ہی عرض کرنا ہے کہ جو مشاعرے عوام کی مدد سے منعقد کیے جاتے ان کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں اس لیے یہ مشاعرے پوری طرح کاروباری ہوجاتے ہیں۔ان کاروباری مشاعروں میں ادب کی نہیں سیاست اور تجارت کی بات زیادہ ہوتی ہے۔ان مشاعروں کے شعرا قوالوں کی طرح عوام سے انعام و اکرام کی صورت میں روپے قبول کرتے ہوئے نظر آجائیں گے۔اور سیاست کا تذکرہ مذکور مشاعروں میں اس لیے کیا جاتا ہے کہ صدارت کی مسند پر کوئی نہ کوئی سیاسی رہنما ہی قبضہ جمائے بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔تو بے چارے شعراء کیا کریں وہ مصلحت کو اپنے ہونٹوں سے باندھے خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔چونکہ اگر وہ اس ناپسندیدہ ماحول پر زوردار احتجاج کرتے ہیں تو آئندہ مشاعروں میں شرکت سے محروم کردیے جائیں گے۔بقیہ مشاعرے جو سرکاری طور پر ادب کے نام سے منعقد کیے جاتے ہیں ان کی صورت حال بھی اتنی زیادہ بہتر نہیں ہے کہ ان کا تذکرہ احترام سے کیا جائے۔اور غیر ممالک کے مشاعروں میں بھی کاروبار کی مختلف صورتیں ہیں،تو اس شعری کاروبار کے شاعر یا متشاعر ہی ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ بھی ہیں جو زندگی کے ہر شعبے کو تجارت بنا دینا چاہتے ہیں۔سرکاری اکیڈمیز بھی زبان ودب کے کاروبار میں مشاق ہیں۔لیکن شور صرف مشاعروں کے حوالے سے زیادہ مچایا جاتا ہے۔

مشاعرے کے اسٹیج پر بھی بہت زیادہ ایسے شعراء موجود رہتے ہیں جو بے ادبی کو کسی بھی صورت میں پسند نہیں کرتے ہیں اور مہذب انداز میں احتجاج بھی کرتے ہیں۔ایسے ہی مشاعرے کے معقول شاعروں میں محمد بلال خاں راز کا بھی شمار ہوتا ہے۔موصوف کی زندگی میں ابھی تک حقیقی محبوب کی ناز برداریاں کرنے کی کرن روشن نہیں ہوئی ہے۔اس لیے وہ اپنے خیالی محبوب کی ناز برداری غزل کے لہجے میں کررہے ہیں۔اور خوب کررہے ہیں۔صرف دو اشعار ملاحظہ فرمائیں:

تم ہمارے دل میں رہتے ہو
اور ہم سے ہی پردہ داری ہے

تم کو تکنے کا اک فائدہ یہ ہوا
میری آنکھوں کی بینائیاں بڑھ گئیں

یہ دونوں اشعار محبوبیت اور مشاعرے کے حوالے سے متاثر کرتے ہیں اور یہ اس دور کے مشاعروں کی مجبوری ہے ورنہ وہ تعلیمی اعتبار سے اردو زبان کے حوالے سے ایم۔اے اردو کی سند حاصل کرچکے ہیں اور ایم۔کام کے ساتھ ملازمت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔مشاعروں میں ان کی شرکت ان کے شعری ذوق کی تسکین کے اسباب میں شمار کی جاتی ہے۔ان کے تجربات و مشاہدات میں زندگی کے مختلف رنگ ہیں جو دھیرے دھیرے ان کی شاعری میں سمٹتے جارہے ہیں۔مختلف فکر واحساس کے حامل چند اشعار اور دیکھیں:

یہ تکبر تمھیں مبارک ہو
اپنا مسلک تو خاکساری ہے

(بقیہ صفحہ 26 پر)

ایم۔نصراللہ نصر (کولکاتا)
موبائل۔9339976034

فن وشخصیت

بلال خاں رآز کا شعری جہان

شاعری بڑی سستی صنف ادب ہے ۔اس لیے اس کے دام الفت میں بڑی آسانی سے نوخیز ادب نگار آجاتے ہیں۔بس اگر قافیہ اور ردیف ملانا آجائے تو شاعری کون سا مشکل کام ہے ۔یہی وجہ ہے کہ صنف ادب میں شعرا کی تعداد نا قابلِ شمار ہے لیکن ہمیں ان کی تعداد سے گھبرانا نہیں چاہئے ۔شاعری ادب کو زندہ رکھنے والی چیز ہے ۔اگر ادب سے صنف سخن کو الگ کر دیا جائے تو ادب نیم مردہ ہو جائے گا ۔اسی طرح نو وارد اور نیم حکیم شعرا کو بھی جہانِ شاعری سے باہر کا راستہ دکھا دیا گیا تو اچھی شاعری داد و تحسین کو ترس جائے گی ۔اس لئے شاعر چاہے چھوٹا ہو یا بڑا ۔نو آموز ہو یا پختہ کار سب کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جانا چاہئے ۔شعر وادب کو زندہ اور پائندہ رکھنے کے لئے دونوں طرح کے شعرا کی ضرورت ہے ۔دن کا احساس رات کے وجود کے بغیر کیسے ہوسکتا ہے۔اس لیے اعلیٰ ادنیٰ ٗ اچھا برا، دھوپ چھاؤں ،نور وظلمت ریل کی دو متوازی پٹریوں کی طرح ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔

محمد بلال خاں رآز میدان سخن میں نو وارد اور نو مشق ہیں ۔طفل مکتب بھی کہیں تو کوئی مضائقہ نہیں اس لئے کہ ابھی ان کی عمر ۲۵ سال کی ہے (پیدائش ۱۹۹۵)اس لحاظ سے شاعری کی عمر آٹھ دس سال کی ہوگی ۔اس کے باوجود غزل اور نعت کے مجموعے تیار ہیں ۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کافی زود گو ہیں ۔جہاں تک ان کی شاعری کے معیار کا تعلق ہے تو اس عمر میں جیسی شاعری ہونی چاہئے ٗ ویسی ہے ، نہ بہت معیاری اور نہ خوب غیر معیاری ۔اشعار اتنے بھی برے نہیں کے پسند نہ آئیں ۔کم معیار کے سہی مگر لطف خیز ہیں ۔اسلوب سادہ ہے مگر برا بھی نہیں ۔زبان میں چاشنی نہ سہی مگر سلاست ضرور ہے ۔خیالات میں عامیانہ رنگ کی جھلک تیز ہے ۔ نیا پن اور جدت کی تلاش ہے ۔لفظوں کی مینا کاری کا ہنر سیکھ رہے ہیں ۔تراکیب واستعارے کی گلیوں میں آنے جانے کی ہمت جٹا رہے ہیں ۔مشاعرے خوب پڑھتے ہیں شاید خوش گلو ہوں ۔بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

بھیڑ میں گونگوں کی پہچان بنانے کے لیے
حوصلہ چاہئے آواز اٹھانے کے لیے

روز دو روز کا قصہ نہ سمجھئے اس کو ۔عشق تو ہوتا ہے اک عمر رُلانے کے لیے

ان کی قربت میں شب گزاری ہے
اس لئے صبح تک خماری ہے
بے قراری ہے اشک باری ہے
بس یہی زندگی ہماری ہے

ان اشعار کے مطالعے ومحاسبے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر نے مشق ومزاولت سے رشتہ جوڑے رکھا ہے ۔گیسوئے سخن کی شانہ کشی کرنے کا مجاز رکھتا ہے ۔گونگوں میں اپنی پہچان بنانے کے لئے کوشاں ہے ۔مسلک عشق کا تجربہ رکھتا ہے ۔قربت کا موقع بھی ملا ہے جس کی آگ میں اتنی شدت ہے کہ اشک باری کا سلسلہ تھمنے کا نام ہی نہیں لیتا ۔یہ اچھی شاعری کی مثال ہے ۔اس لئے کہ شاعری میں مبالغہ ٗ ابہام اور اوہام کا ہونا لازمی ہے ۔یہ ایک حقیقت ہے کہ جس شعر سے آنسو ٹپکے اور جس کے الفاظ خونچکاں ہوں تو آپ سمجھ لیجیے کہ مبالغہ کا اچھا اہتمام کیا گیا ہے ۔یہ کوئی عیب کی بات نہیں ۔سو رآز نے بھی استفادہ کیا ہے ۔اور خود آنسو بہایا ہے نیز دوسرے کو بھی رُلا دیا ہے۔

شاعری کے کچھ اپنے تقاضے ہوتے ہیں ۔پہلے جب شاعر شعر کہنا شروع کرتا ہے تو وہ مصرعے سازی کے دور سے گزرتا ہے ۔پھر تک بندی کا دور آتا ہے ، پھر اس کے اندر شعری شعور پیدا ہوتا ہے اور شعر سازی اور تک بندی کے فرق کو سمجھنے لگتا ہے ۔بعد ازاں اچھا شعر بھی کہتا ہے ۔آگے جب چلتا ہے تو سلاست ، فصاحت اور بلاغت کی منزلیں طے کرتا ہے ۔اسلوب کی نزاکت کو سمجھتا ہے ،زبان کی نازکی سے آشنا ہوتا ہے ۔فن سخن کی باریکیوں سے اس کا واسطہ پڑتا ہے ۔نوک پلک سنوارنے کے ہنر سے واقف ہوتا ہے ۔اس طرح اس کی شاعری میں پختگی آتی ہے۔

رآز بیشک اپنے شعری سفر پر گامزن ہیں لیکن کہاں تک پہنچے ہیں یہ بتانا ذرا مشکل ہے ۔رفتار تیز ضرور ہے ۔جلد ہی وہ ایک ایسی منزل کو طے کرنے والے ہیں جہاں سے ان کی شاعری کو اعتبار حاصل ہونا شروع ہو جائے گا ۔ابھی بھی ان کی شاعری قابلِ داد وتحسین ہے لیکن ابھی محنت کی شدید ضرورت ہے ۔

کچھ اور اشعار ملاحظہ فرمائیں؛

ان کو تو بے حجاب ہی آنا ہے بزم میں ۔دیوانہ کوئی ہوتا ہے تو وہ ہوا کرے

سمجھے ہے کوئی دوست مجھے تو کوئی عدو
کوئی دعا کرے ہے کوئی بددعا کرے

تکبر تمہیں مبارک ہو ۔اپنا مسلک تو خاکساری ہے
رازؔ کا راز بس وہی جانے ۔راز کی جس سے پردہ داری ہے

مذکورہ اشعار میں اگر تلاش کریں تو رازؔ کا راز واقعی کسی معمے کو سلجھانے اور سمجھنے سے کم نہیں اس لیے کہ ان کی شاعری کا مخصوص لب ولہجہ ہے۔مخصوص فکر وخیال ہے۔مخصوص مضامین وعنوانات ہیں ۔جہاں رومان کی جھلک ہے وہاں عصری حالات کی پردہ کشائی بھی ہے۔دل کے حالات کا جہاں ذکر ہے وہاں دنیا کی رنگ آمیزی بھی ہے،مسائل حیات کے ساتھ معاملات کائنات کے تذکرے بھی ہیں ۔شعر کہنے کا سلیقہ کم وبیش آ گیا ہے۔فکر میں کچھ اور بلندی کی ضرورت ہے۔اس کے باوجود عام روش سے الگ ہٹ کر راستہ منتخب کرنے کی ضرورت ہے مگر یہ کام بہت مشکل ہے۔اس کے لئے کافی مطالعے ومشاہدے کی ضرورت ہے لیکن محنت اور کوشش کرنے والا ہی کامیاب ہوتا ہے۔مجھے امید ہے کہ رازؔ اس سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔کچھ اشعار اور ملاحظہ کریں:

خلیفہ رب کا کہلایا گیا ہوں
فرشتوں سے بھی منوایا گیا ہوں
یہ دنیا میرا اصلی گھر نہیں ہے
میں جنت سے یہاں لایا گیا ہوں
کبھی کھینچی گئی ہے کھال میری
کبھی سولی پہ چڑھوایا گیا ہوں
جہاں جبریل کے پر جل رہے ہوں
وہاں سو بار میں آیا گیا ہوں

ان اشعار کے تیور دیکھ کر لگ رہا ہے کہ رازؔ نے واقعی شاعر بننے کی قسمیں کھائی ہے اور جی توڑ محنت سے اسے گریز نہیں ۔اسلامی تاریخ کا مطالعہ بھی ہے اور صوفیانہ شاعری کا شوق بھی ۔کیسے کیسے گوشے ان اشعار میں نکالے ہیں اور تلمیحی اشعار کہے ہیں۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی شاعری میں دم ہے۔انہیں شعر گوئی کا شوق اور جذبہ بھی ہے ۔رازؔ کی شاعری میں حق گوئی اور حقیقت نگاری کے نقوش بھی ملتے ہیں ۔وہ سچ بولنے سے گریز نہیں کرتے بلکہ صاف گوئی کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں۔ملاحظہ فرمائیں:

پیٹھ پر ہوتے ہوئے وار سے ڈر لگتا ہے
اب تو دشمن سے نہیں یار سے ڈر لگتا ہے
ساغر و جام نہ میخوار سے ڈر لگتا ہے
صاحب جبہ ودستار سے ڈر لگتا ہے
کس کو مظلوم بتادے کسے کہہ دے ظالم
آج کے دور کے اخبار سے ڈر لگتا ہے
اس کو سونپی گئی لشکر کی سپہ سالاری
جس کو میدان میں تلوار سے ڈر لگتا ہے

مذکورہ اشعار دیکھنے میں بھلے ہی سادہ اور عامیانہ لگتے ہوں مگر مضامین کے اعتبار سے بیشک سچے اور اچھے ہیں ۔بڑی صاف گوئی سے اور ہمت جٹا کر یہ باتیں کہی گئی ہیں۔ایسی شاعری اچھی لگتی ہے ۔شاعری کا کیا ہے کبھی بالکل سادہ سا شعر اتنا دلکش اور پیارا لگتا ہے کہ اس کے سامنے کشیدہ کاری سے مزین شعر پھیکا پڑ جاتا ہے ۔ایسے اشعار بہت جلد ذہن و دل کے نہاں خانے میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔اس کے لئے رازؔ کو مبارکباد دینے کو جی چاہتا ہے۔

رازؔ کے بارے میں ابھی بہت کچھ لکھنا قبل از وقت ہوگا اس لئے اتنا ہی اگر شرف قبولیت کا باعث بن جائے تو میں سمجھوں گا میری محنت کام آ گئی۔ میری دعا ہے کہ رازؔ اور ترقی کرے۔اس کی شاعری میں پختگی آئے اور ایک دن بڑا شاعر بن کر اپنا نام روشن کرے آمین۔

پیچ وخم زیست میں ہونا بھی ضروری ہے بہت
زندگی ایک سی جینے میں مزا کچھ بھی نہیں
رازؔ جب خود سے کبھی پوچھتا ہوں کون ہوں میں
میرے اندر سے یہ آتی ہے صدا کچھ بھی نہیں

☆☆☆

منیر سیفی
موبائل۔9835268274

فن و شخصیت

ایک نوخیز شاعر: بلال رآز

بریلی، یو۔پی میں عالمِ وجود میں آیے۔ پہلے ایم۔کم کی ڈگری حاصل کی۔ پھر اردو کی زلفِ گرہ گیر ایسا اسیر ہویے کہ اردو میں بھی ایم۔اے کی ڈگری حاصل کرلی اور اردو کے لیے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ برسرِ روزگار ہیں۔ بلال رآز کے دو مجموعے (غزلیات اور نعتوں پر مشتمل) زیرِ اشاعت ہیں جو شاعر کی محنتِ شاقّہ اور زود گوئی کے غماز ہیں۔ یہ نیک فال ہے۔

ہم ایسے دور میں بھی ہیں جو زندہ۔ کسی کا فیض روحانی لگے ہے

ہم جس آب و ہوا میں سانس لے رہے ہیں، میری ذاتی رائے میں وہ صدفی صد آلودہ ہے (اس میں نصف فی صد ذہنی عصبیت کی آلودگی بھی شامل ہے)۔ یہ آلودگی صرف ہمارے وطن کی نہیں ہے بلکہ دیگر زہریلے ممالک کی سرحدوں کو پار کر کے آنے والی زہریلی و زعفرانی ہوائیں بھی ہماری سانسوں کی غذائیں بن رہی ہیں کہ پاسپورٹ اور ویزا کی پابندی ہوائیں نہیں ہوتیں۔

یہی نہیں جہاں آدمی زندہ/مردہ جلائیں جاتے ہیں وہاں ایک مردہ کو جلانے سے ایک ٹن پرالی جلانے کے برابر آلودگی ہے پھیلتی ہے اور اگر کسی زندہ آدمی کو جلایا جائے تو اس سے بھی زیادہ فضا مکدر ہو جاتی ہے۔ ہمارے سائنس دانوں کو اس پر تحقیق کرنا چاہئے۔

خوف کھاتے ہیں حکومت سے زمانے والے۔ اور حکومت کو قلم کار سے ڈر لگتا ہے

قلم کار اخبار سے صرف اشراف ڈرا کرتے ہیں۔ منتخب عوامی نمائندوں کی فہرست اور ان کی بیک ہسٹری دیکھنے سے اس بات کی تصدیق ہو جائے گی۔ اب تو حال یہ ہے کہ Mob Lynching جیسی غنڈہ گردی کی طرف توجہ مبذول کرانے کی غرض سے اربابِ سلطنت کو محض کھلا خط لکھنے پر FIR درج کیا جانے لگا ہے۔ صحافت کو (بشمول برقی و پریس) زرخرید کے زمرے میں آ گئی ہے۔ جو کچھ طوطے کی طرح رٹا دیا جاتا ہے میڈیا اسی کی گردان کرتی رہتی ہے۔ یہ جمہوریت کے لئے سم قاتل ہے۔ جس صحافت کو جمہوریت کا چوتھا ستون کہا جاتا تھا آج وہ آخری پائدان پر ہے۔ اور ذرا بھی عار محسوس نہیں کرتی۔ حد تو یہ ہے کہ شیر خوار جرائد کے قدہین مدیران کی شان میں تعریفی خطوط نہیں لکھے جانے پر مدیران خفا ہو جاتے ہیں۔

اُس کے نزدیک مرا پیار وفا کچھ بھی نہیں
لاکھ قربانیاں دیں پھر بھی ملا کچھ بھی نہیں

کہتے ہیں ''قربانیاں رائیگاں نہیں جاتیں'' لیکن ہمارے مشاہدے میں جو کچھ آتا رہتا ہے اس سے بے خبری بھی اچھی علامت نہیں کہی جاسکتی۔ کام اور کون کرتا ہے اور کام کا سہرا کسی اور کے سر بندھتا ہے۔ لیکن اس اُتار چڑھاؤ سے خستہ جگر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تاریخ خود کو ہمیشہ دہراتی ہے۔ لہٰذا نیچے کی کنکری جو اوپر چلی گئی ہے پھر نیچے آسکتی ہے۔

بھیڑ میں گونگوں کی، پہچان بنانے کے لیے۔ حوصلہ چاہئے آواز اُٹھانے کے لیے

اچھا شعر ہے، شاعر کے عزم و ہمت کی داد دینی چاہئے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ڈرے سہمے گونگے عوام میں کسی اکیلی آواز کی چنگاری بلند ہوتی ہے اور چشم زدن میں شعلہ بن جاتی ہے اور کاخِ واُمراء کے در و دیوار اس کی زد میں آجاتے ہیں۔

بلال راز نوجوان شاعر ہیں، تعلیم یافتہ ہیں، لہٰذا ان سے بہت ساری نیک اُمیدیں وابستہ ہیں۔ ابھی انہیں مطالعہ اور مشق کی ضرورت ہے ؎

ا۔ تم مرے گھر میں کبھی آؤ نہ جانے کے لیے
۲۔ جالا مکڑی کا ہی کافی ہے بچانے کے لیے
۳۔ یہ دستک اس کے ہاتھوں کی نہیں ہے
۴۔ پیٹھ پیچھے اُسی نے وار کیا

ہمارے وطن کے ایک صوبے سے (۳۱/اکتوبر ۲۰۱۹) اردو کو دربدر کر دیا گیا ہے۔ لیکن اردو کو مٹانا جوئے شیر لانے سے بھی مشکل کام ہے کہ ہمارے درمیان بالکل تازہ اور عزم و ہمت سے مزین کھیپ جس میں بلال راز اور دیگر کسی کسائی فوج کی طرح صف آرا ہیں اور شعر و ادب کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ لہٰذا مجھے کہنے دیجئے کہ اردو ایک سخت جان زبان اور اس کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ ہندی الفاظ پر (ض ظ ذ ز خ ق) تلفظ کے لیے اردو حروف جہاں آتے ہیں ان پر نقطہ لگایا جاتا تھا جسے عصبیت کی وجہ سے ختم کر دیا گیا تھا۔ لیکن ہندی صحافیوں نے ایک کانفرنس میں خود آواز اُٹھائی ''آؤ نقطہ لگائیں'' کیا یہ سوچ اس بات کی ضامن نہیں ہے کہ اردو کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ حضرت سیف سہسرامی کا یہ مصرع ایک لفظ کے تصرف کے ساتھ ملاحظہ کریں ؎

سیف سر چڑھ کے جو بولے اسے اردو سمجھو

☆☆☆

صابرادیب
35,Gulkada.Opp:KachhiMasjid
Shahjahanabad.Bhopal-462001(M.P)

فن وشخصیت

زمینی حقائق کا راز داں شاعر: بلال رازؔ

آج کی اردو شاعری کلاسیکی اور دور جدیدیت کا آمیزہ ہے۔اس لیے اس میں انسانی زندگی سے جڑے مختلف رجحانات کا اثر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ادب چونکہ انسانیت کی روح ہوتی ہے اوراس میں زندگی کی تمام کاوشوں کی پرچھائیاں منعکس ہوتی ہیں اس لیے اردوشاعری کے گہرے اثرات سے اردوادب کا کوئی بھی طالب علم انکارنہیں کرسکتا۔ غزل اردوشاعری کی وہ مقبول ترین صنف ہے کہ جب یہ خوبصورت ولطیف الفاظ کا جامہ زیب تن کرلیتی ہے تو رعنائی خیال کا جھرمٹ اسے اپنی باہوں میں سمیٹ لیتا ہے۔اشعار کا سیدھا سادہ اسلوب،زمینی حقائق،صداقتوں کا ظہوراورفکرونظر کی بہت سی گتھیوں کوسلجھا جاتا ہے۔آج کی شاعری میں روزمرّہ کے واقعات ومعلومات کے سیدھے سپاٹ،اظہار کے ساتھ فکرانگیزی،دل پذیری اور اثرآفرینی بھی ہے جسے بخوبی محسوس کیا جاسکتا ہے۔

اردو ادب کے ایسے تخلیق کاروں میں ایک نام نوجوان شاعر بلال رازؔ کا بھی آتا ہے۔ان کا نام محمد بلال خاں اور تخلص رازؔ ہے۔پیدائش ۱۵؍اپریل ۱۹۹۴ءاور جائے پیدائش کنکر ٹولہ شہر بریلی (یوپی) ہے۔آغاز شاعری ۲۰۱۰ء سے ہوا اور استاد محترم اسرار نسیمی ہیں۔غزل اور نعت کے دو مجموعے زیراشاعت ہیں اور جلد ہی منظرِ عام پرآنے والے ہیں۔کلام کی اشاعت مختلف جرائد کے علاوہ آکاش وانی اور دوردرشن رام پور سے ٹیلی کاسٹ ہوتی رہتی ہے۔تعلیم معاشیات اور اردو میں پوسٹ گریجویٹ ہیں۔

گو کہ شاعری کی عمر زیادہ نہیں ہے مگر چونکہ شاعر کی فطرت گنجینۂ مخفی ہوتی ہے اوراس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ جانا پہچانا جائے۔اس مقصد کی تکمیل کے لئے علم اسے عقل دیتا ہے اور جوش وجذبہ (جن کے بغیر تمام کام نامکمل رہتے ہیں) اسے ادب سے ملتا ہے۔ادب جو زندگی اور انسانی تہذیب کا عکاس ہوتا ہے اس کا ماخذ شاعر کے لاشعور میں محفوظ تجربات،مشاہدات اوراحساسات کا ذخیرہ ہوتا ہے جواس کے ذہن سے مخصوص الفاظ کا جامہ پہن کر عالم وجود میں آتا ہے اوراس کی پہچان کا ذریعہ بنتا ہے۔بلال رازؔ شایداس راز سے واقف تھے،اسی لئے وہ کہتے ہیں ؎

میں رازؔ ہوں کبھی غیروں پہ کھل نہیں سکتا۔ مجھے سمجھنا ہے تو آپ میرے ہو جائیں

مگر رازؔ صاحب جب اپنے رازوں کے جزیرے سے باہر آتے ہیں تو دوسروں کو ''میرے'' ہوجانے کا مشورہ دیتے ہوئے خود رازوں کے ایسے مکڑ جال میں پھنس جاتے ہیں تو کہہ اُٹھتے ہیں ؎

رازؔ جب خود سے پوچھتا ہوں کون ہوں میں
میرے اندر سے یہ آتی ہے صدا کچھ بھی نہیں

پھر دھیرے دھیرے راز سے پردہ اٹھتا جاتا ہے۔ان کے یہ شعار دیکھیے ؎

ہم نے جس پر بھی اعتبار کیا
پیٹھ پیچھے اسی نے وار کیا

بباطن ہے ہمارا جانی دشمن
بظاہر جو ہمارا یار سا ہے

دین انساں کی بھلائی کے لیے آیا تھا
رہ گیا اب یہ فقط کھانے کمانے کے لئے

آج چہرے تو چمک دار نظر آتے ہیں
اور اگر آنکھ میں دیکھو تو حیا کچھ بھی نہیں

کس کو مظلوم بتادے کسے کہہ دے ظالم
آج کے دور کے اخبار سے ڈر لگتا ہے

وفا،اخلاص،ہمدردی،محبت
یہ سب باتیں کتابی ہوگئی ہیں

ہمارا ملک اور معاشرہ آج جس زبردست بحران سے گزر رہا ہے اس سے ہمارے عہد کے تخلیق کار کا متاثر ہونا بھی ناگزیر ہے۔کیونکہ ہمارا لاشعور حیات کو محیط ہوتا ہے۔اس لئے اس کا تخلیقی عمل بھی لاشعور کے پُراسرار گوشوں میں ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا جب محدود شعور کی زد میں آتا ہے اس پر جلا ہونے لگتی ہے۔لاشعور کو ہم آمد اور شعور کو آورد سے تعبیر کرتے ہیں۔اس نظریے سے ان کے یہ اشعار دیکھیے ؎

پیٹھ پر ہوئے وار سے ڈر لگتا ہے
اب تو دشمن سے نہیں یار سے ڈر لگتا ہے

جس کو منزل کی خبر ہو نہ ہو نشاں معلوم
ہم کو اس قافلۂ سالار سے ڈر لگتا ہے

تمام لوگ ہیں اولادِ ایک آدم کے
یہ ذات پات کے جھگڑے عجیب لگتے ہیں

یہ دنیا میرا اصلی گھر نہیں ہے
میں جنت سے یہاں لایا گیا ہوں

کبھی کھینچی گئی ہے کھال میری
کبھی سولی پہ چڑھوایا گیا ہوں

جو دوستی کا رشتہ بنا کر دغا کرے
ایسے بشر پہ کوئی بھروسہ بھی کیا کرے

یہ بدلتے ہوئے منظر دیکھے نہیں جاتے
دستِ احباب میں خنجر دیکھے نہیں جاتے

آج کا شاعر اور تخلیق کار نئے پن کی تلاش میں ہے۔ وہ جانی پہچانی حدوں میں رہ کر اپنی صلاحیتوں کو زنجیروں میں قید نہیں کر سکتا۔ حدیں پھلانگ کر اپنے انداز میں سب کچھ بے خوف اور بے دریغ کہتا ہے۔

جواب دینا مجھے بھی بخوبی آتا ہے
مگر یہ سوچ کے چپ ہوں کہ انتشار نہ ہو

یہ تکبّر تمھیں مبارک ہو۔ اپنا مسلک تو خاکساری ہے

ہم ہیں خود دار کچھ امداد نہ لیں گے ان کی
جو مدد کرتے ہیں احسان جتانے کے لیے

خوف کھاتے ہیں حکومت سے زمانے والے
اور حکومت کو قلم کار سے ڈر لگتا ہے

بات میں بات کا سلسلہ دیکھئے، فلسفہ دیکھیے
اُس کو سونپی گئی لشکر کی سپہ سالاری۔ جس کو میدان میں تلوار سے ڈر لگتا ہے

جہاں وہ اپنے دشمنوں سے پریشان و برسرِ پیکار ہیں وہیں وہ اپنی شاعری کے ذریعہ دشمنوں کو پیغامِ محبت و انسانیت دیتے ہوئے اور بزرگوں کی دعاؤں کے طفیل کامیاب و کامران ہوتے ہوئے کہتے ہیں۔

مری سرشت محبت مرا پیام وفا
زمانہ کچھ بھی کہے مجھ کو پیار کرنا ہے

تم نے جو کچھ بھی کہا تم جانو۔ خیر ہم نے تو تم سے پیار کیا

نہیں انسانیت کا جذبہ جس میں۔ وہ زندہ ہو کے بھی مردار سا ہے

اس کو منظور حفاظت ہے تو تالے کیا ہیں۔ جال مکڑی کا ہی کافی ہے بچانے کے لیے

ہم نے طوفان کو بھی رکتے ہوئے دیکھا ہے
کیسے کہہ دوں کہ بزرگوں کی دعا کچھ بھی نہیں

بلال رازؔ کی شاعری میں عشق و محبت کی چاشنی کے ساتھ درد و کرب سوز و ساز کی کیفیت پیدا کرنا نہ صرف دماغ کو دعوتِ فکر دیتی ہے بلکہ دل کو گدگداتی بھی ہے۔ سادہ الفاظ، بیان میں سلاست و روانی، لہجے کی نرمی، اظہار بیان میں شگفتگی، احساس کی کسک، غرض وہ سب کچھ ہے جو شاعری کے لیے ناگزیر ہے۔

ان کے یہ اشعار ملاحظہ کریں:

آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھوں کیا ہے فردوسِ بریں
بھا گیا کچھ اس طرح سے کوئے جاناناں مجھے

محبت کرنا نادانی ہے لیکن
بڑی پیاری یہ نادانی لگے ہے

ان کی آنکھوں میں ڈال کر آنکھیں
لُٹ گئے ہم خوشی خوشی کل رات

پیچ و خم زیست میں ہونا بھی ضروری ہے بہت
زندگی ایک سے جینے میں مزہ کچھ بھی نہیں

تم ہمارے ہی دل میں رہتے ہو
اور ہم سے ہی پردہ داری ہے

بلال رازؔ اپنی شاعری کو دلی معاملات، قلبی واردات اور عشق و محبت کی چاشنی تک ہی محدود نہیں رکھتے، اپنے ربِ کائنات اور اس کے محبوب محمد ﷺ کے حضور میں یوں رطب اللساں ہیں۔

وہ عطا مجھ کو جامِ جم کر دے۔ جو مری تشنگی کو کم کر دے
دور کیوں ہے مرے قریں آجا۔ فاصلے درمیاں کے کم کر دے
جیسا بھی ہوں مگر مرے مولا۔ تیرا بندہ ہوں تو کرم کر دے

☆

چوم لیتے ہیں عقیدت سے خود اک دوجے کو لب
کس قدر میٹھا محمد مصطفیٰؐ کا نام ہے

انسان کے بس کی بات کہاں جو سمجھ سکے
بس رب ہی جانتا ہے حقیقت رسولؐ کی

جسے کہتے ہیں قرآنِ مُبیں سب۔ مرے آقا کا زندہ معجزہ ہے

شاعر موصوف کا مستقبل، بقول ان کے۔

موت کے بعد مری، رازؔ پڑھے جائیں گے
مرے اشعار میری یاد دلانے کے لیے

☆☆☆

ڈاکٹر محمد حسن قادری ایم۔اے
(Urdu,Political Science,Sociology)
SahityaRatan,Phd..Zkhira.Bareilly

بلال رازؔ بریلوی اوران کی نعتیہ شاعری

ن ع ت عربی زبان کا مادّہ ہے۔اس کے لغوی معنی کسی شخص میں بہترین صفات کا پایا جانا ہےاوراُن صفات کا بیان کرنا ہے۔عربی زبان میں تعریف وتوصیف کے لیے حمد، مدح، ثنا وغیرہ الفاظ بھی استعمال کئے جاتے ہیں مگر علماء اوراہل ادب نے اصطلاحاً لفظ حمد کواللہ کی تعریف کے لئے اورلفظ نعت کوسرورِکون ومکاں، محبوب رب العالمین کی تعریف و توصیف کے لئے مخصوص کر لیا ہے۔دنیا کی دیگر زبانوں میں بھی سرورِ کونین کی تعریف وتوصیف کے لئے نعت کا ہی ستعمال ہوتا ہے۔

رسول اکرمؐ کی نعت مبارک نظم ونثر دونوں اقسامِ ادب میں لکھی جاتی رہی ہیں مگر عام طور پرنعت کا لفظ ان نظموں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو قاسمِ نعت کے لئے لکھی اورکہی گئیں ہوں۔اس صنفِ سخن کی ابتدا عربی زبان میں عہدِ نبوت میں ہی ہوگئی تھی وہ تمام صحابۂ کرام نے جو شعر کہے ہیں وہ نعتیہ اشعار ہیں۔حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت کعب بن زبیرمکی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وغیرہ عربی کے مشہور نعتیہ شاعر ہوئے ہیں۔عربی زبان کے بعد فارسی زبان میں بھی نعت گوئی کا رواج عام ہوا۔ابوالفرج رونی، سعدی، رومی، جامی، عرفی، شیرازی وغیرہ نے بہترین نعتیں عطا کیں۔دیگر زبانوں میں بھی نعت گوئی کی روایت ملتی ہے۔اردو شاعری غزل، مثنوی، قصیدہ، منقبت، مرثیہ وغیرہ اصناف سخن سے مالا مال ہے۔حالی، شبلی، امیر مینائی، محسن کاکوری وغیرہ شعرا نے کچھ نعتیں کہی ہیں لیکن دورِ متاخرین میں نعت گوئی میں امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ اور حافظ پیلی بھیتی کے علاوہ ایسا کوئی شاعر نہیں ملتا جس نے صرف نعتیہ اشعار سے اپنے دیوان مرتب کئے ہوں۔ہمارے خیال میں اس کی دو وجوہات ہوسکتی ہیں۔

اول یہ کہ صنفِ نعت بہت نازک صنف ہے بقول اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمتہ اللہ ’’اس میں افراط وتفریط کی گنجائش نہیں۔اگر حد سے بڑھتا ہے تو اُلوہیت میں پہنچ جاتا ہےاورکمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے‘‘۔(الملفوظ)

اس لئے نعت کہنا بہت مشکل کام ہے،اس مشکل کام سے وہی شاعر عہدہ برآ ہوسکتا ہے جو مہارتِ فن کے ساتھ ساتھ ایک سچے عاشقِ رسول کا دل رکھتا ہو۔سرورکون ومکاں کی محبت میں دل گداختہ ہوجانا مردِ مومن کی شان ہے۔یہی وجہ ہے ہر شاعر اس فن میں طبع آزمائی نہ کرسکا صرف رسماً دو چار نعتیں کہہ دیں جن میں وارفتگی اورعشق رسول کی وہ جلوہ گری نہیں جو امام احمد رضا اور حافظ پیلی بھیتی کے یہاں دکھائی دیتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ صنفِ نعت کواردو اہل ادب نے صنفِ سخن ہی مانا، اردو ادب کی پوری تاریخ کا مطالعہ کرجایئے کہیں اردو نعت اورنعت گو شعرا کا ذکر نہیں ملے گا۔کتنی عجیب بات ہے کہ نواسۂ سرورِکون ومکاں، راکبِ دوشِ رسول حضرات حسنین کریمین سے تعلق مرثیوں کا اردو ادب میں خوب ذکر ہے اور مرثیہ گو شعرا انیس دبیر کی شان میں اہل ادب نے زمین وآسمان کے قلابے ملادئے ہیں لیکن افسوس جو باعثِ تخلیقِ کائنات ہیں اُس ذات کی نعتِ مقدس میں اردو ادب میں کوئی جگہ نہیں ہے۔غرض اردو نعت ابتدا ہی سے تعصب اور بے توجہی کا شکار رہی ہے۔اردو ادب کی تاریخ مرتب کرنے والوں میں وہ لوگ حاوی رہے ہیں جنھیں نعت اورنعت گو شعرا سے دشمنی تھی یا دلچسپی نہیں تھی۔یہی وجہ ہے کہ نعت شریف کو یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل نہیں کیا گیا۔صرف محسن کاکوری کا نعتیہ قصیدہ نصابوں میں شامل ملتا ہےوہ بھی قصیدہ کے ضمن میں شاملِ نصاب رہا ہے۔

اس موقع پر میں اپنے پی ایچ ڈی کے استاد روہیل کھنڈ یونیورسیٹی میں اردو کے پروفیسر ڈاکٹر نواب حسین خان نظامی مرحوم کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔جب آپ ۱۹۹۱ء میں یونیورسیٹی کے نصاب کمیٹی کے کنوینر منتخب ہوئے تو آپ نے نعت کوادبی حیثیت دلانے کے لئے ایم اے اردو کے نصاب میں نعت کو شامل کرانے کی کوششیں شروع کیں تو مخالفتوں کا ایک طوفان کھڑا ہوگیا۔لیکن حضرت نظامی صاحب کی نیک نیتی، خلوص اورآقائے دوجہاں سے عشق الگ رہا۔اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے۔چنانچہ ۱۹۹۱ء میں آپ نے ایم اے اردو کے پہلے پرچے میں امام احمد رضا اوراستادِ زمن حضرت حسن رضا خان اوراُن کی نعتوں کو شامل کرایا اورساتویں پرچہ میں خصوصی مطالعہ کے تحت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا نام شامل کرایا۔یہ حضرت نظامی صاحب مرحوم کا اتنا بڑا کارنامہ ہے جس کی مثال برصغیر ہند وپاک اور بنگلہ دیش میں نہیں ملتی۔اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

جب ہم بریلی کی نعتیہ شاعری کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ بریلی میں نعت گو شاعر تھے لیکن نعتیہ مشاعروں کا فقدان تھا۔نعتیہ مشاعروں کا

آغازاعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے برادرِاصغر حضرت علامہ حسن رضا خاں کے زمانہ میں ان کی کوششوں سے ہوا۔اس سے قبل بریلی کے مشاعروں میں بطور ہدیۂ تبریک حمد،نعت،منقبت خوانی ہوتی تھی۔علامہ حسن رضا خاں کے تلامذہ کی تعداد کثیر تھی۔چنانچہ نعتیہ مشاعرہ کی ضرورت محسوس کی جانے لگی اوران کا انعقاد بھی کیا گیا۔۱۸۵۷ء کا دور مابعد جس کا تعلق مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی سے ہے۔ بریلی میں عظیم المرتبت نعت گوشعرا پر مشتمل ہے۔نواب حیدر، حسن خاں حیدر،نواب عبدالرزاق خاں،شاہ سید حسین شاہ سید،مولوی لطف علی خاں لطف،سید شاہ فضلِ غوث ساقی،حضور احمد خاں آثم،سید فدا علی وامق،جمیل الرحمٰن خاں جمیل،وغیرہ و صاحبِ دیوان برگزیدہ شعرائے نعت ہیں جن پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔

اب صورتِ حال یہ ہے کہ بریلی میں شعرا حضرات کی اچھی خاصی تعداد ہے اور تقریباً سبھی شعرا نعت ومنقبت کہتے ہیں۔خانقاہوں،درگاہوں میں محرم الحرام کے ایام میں اور دیگر مذہبی مواقع پر نعتیہ اور منقبتی مشاعرے اور نشستیں منعقد کی جاتی ہیں۔شعرا حضرات اپنے بہترین کلام پیش کرتے ہیں اور داد وتحسین وصول کرتے ہیں۔علامہ مولانا صغیر اختر مصباحی،محترم اسرار نسیمی،شکیل اثر نورانی، عبدالرؤف نشتر،اسد مینائی،ڈاکٹر محمد احمد خاں امن،ڈاکٹر عدنان کاشف وغیرہ ایسے شعرا ہیں جن کے دم قدم سے نعت ومنقبت کی محفلیں آباد ہیں۔

جوان العمر شعرا میں راقم کے خواہر زادہ محمد بلال خاں، بلال راز بریلوی کو انفرادی وامتیازی حیثیت حاصل ہے۔وہ اس لئے کہ انھیں کمسنی میں ہی شاعری کا شوق پیدا ہو گیا تھا،شاعری کی ابتدا غزلوں سے کی بعد میں نعتیہ شاعری کا شوق پیدا ہوا اور نعتیں بھی کہنے لگے اور خوب کہتے ہیں۔کمسنی میں ہی اتنی کثیر تعداد میں نعتیں کہی ہیں جس کی مثال نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔بلال راز ۱۳/۱۴/سال کے ہی تھے کہ شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔وقت کے ساتھ ساتھ شوق پروان چڑھتا گیا اور ۱۶/سال کی عمر میں باقاعدہ شاعری شروع کر دی یعنی مشاعروں میں بھی شرکت کرنے لگے۔بلال راز کی ولادت ۵/اپریل ۱۹۹۴ء کو بریلی شریف کے محلّہ کانکر ٹولہ پرانا شہر کے پٹھان خاندان کے معزز، علمی، دینی ومذہبی گھرانے میں ہوئی۔والد محمد اسلم خاں صاحب نیک اور شریف النفس شخصیت ہیں۔دادا حضرت شاہ عبدالرزاق علیہ الرحمہ عابد شب بیدار،تقویٰ شعار،اور صاحب کشف وکرامت ولی کامل تھے۔ ترک وتجرید کی زندگی بسر کرتے تھے۔دنیا سے استغنا آپ کا شیوہ تھا۔آپ کے عقیدت مندوں کی ایک کثیر تعداد ہے۔شاہ دانہ پر آپ کا مزار مرجعِ خلائق ہے۔

بلال راز نے جس عمر میں شعر کہنا شروع کیا وہ حصولِ تعلیم کا دور تھا۔پہلے ایم کم کیا پھر اردو میں ایم اے کیا۔تعلیم کے حصول کے ساتھ ہی فکرِ معاش اور تلاشِ روزگار میں بھی سرگرداں رہے اور شعری سفر بھی جاری رکھا۔یہ تینوں کام ایک ساتھ انجام دینا بہت مشکل کام تھا۔لیکن راز کے عزمِ مصمم نے اس مشکل کو آسان کر دکھایا۔راز کو شعر گوئی کا شوق کیسے پیدا ہوا یہ بھی ایک راز ہی ہے۔جب کہ ان کی ددھیال اور ننھیال میں کوئی شاعر نہیں ہوا۔اس سلسلے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ ودیعت خداوندی ہے، جو ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی۔دراصل بلال راز کو شاعری سے فطری لگاؤ ہے اور طبیعت بھی موزوں ہے۔اشعار نظم کرنے کی صلاحیت بچپن ہی سے حاصل ہے۔مولوی الطاف حسین حالی ''مقدمہ شعروشاعری''میں لکھتے ہیں شاعر بننے کے لئے صرف موزوں طبع ہونا ضروری ہے۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ بلال راز میں شاعر بننے کی ساری صلاحیتیں اور خوبیاں پائی جاتی ہیں۔اس پر مستزاد یہ کہ حضرت اسرار نسیمی جیسا لائق وفائق،کہنہ مشق شاعر،مخلص وشفیق استاد ملا۔جنھوں نے راز کے فن شاعری کو جلا بخشی اور بام عروج تک پہنچایا۔ماشاءاللہ کلام اچھا ہے۔آواز بھی خوبصورت پائی ہے۔اس لئے بہت جلد شہرت کی بلندیوں کو چھولیا۔مشاعروں میں خوب داد وتحسین وصول کرتے ہیں۔ریڈیو اور دوردرشن پر بھی شعر پڑھنے کے لئے بلائے جاتے ہیں اور ملک کے اخبار ورسائل میں بھی کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔

بلال راز قابل مبارک باد اور لائقِ تحسین ہیں جنھوں نے کم عمری میں ہی کثیر تعداد میں نعت کہی ہیں ورنہ عموماً شعرا حضرات چار چھ نعت کہہ لیتے ہیں اور وہی مشاعروں میں سناتے رہتے ہیں۔دراصل نعت گوئی کے لئے سرورِ کون ومکاں سے عشق ومحبت شرط اول ہے۔راز کی نعت گوئی آدابِ عشق ومحبت کی آئینہ دار ہے۔ اُن کی محبت نہ صرف ہر چیز سے بلند وبالا ہے بلکہ والہانہ عشق ومحبت اور جاں نثاری سے پُر ہے۔بلال راز کو جذبۂ عشقِ رسول اپنے جد امجد علیہ الرحمہ سے وراثت میں ملا ہے جو عاشق صادق تھے اور جن کا سینہ عشقِ رسول کا مدینہ تھا۔یہی وجہ ہے کہ راز کا کلام عشق ومستی اور درد وسوز سے مالا مال ہے۔سلاست،سادگی، بے ساختگی اور روانی راز کے کلام کی خصوصیات ہیں۔راز کے کلام میں عشق پاک باز، جذبۂ خود سپردگی، وارفتگی وشیفتگی اور خلوص بدرجہ اتم موجود ہے۔راز اگر ایک طرف عظمتِ رسالت،اظہار معصیت،التجائے مغفرت اور احساسِ ندامت جیسے حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی شاعری کا حق ادا کرتے ہیں تو دوسری طرف فصاحت،بلاغت اور لطیف طرزِ اسلوب پر بھی توجہ دیتے ہیں۔یہ آسان کام نہیں ہے مگر کچھ کر گزر جانے کے ایمانی حوصلے نے راز کو ہر اعتبار سے سُرخرو کیا۔راز کا خیال ہے کہ نعت مبارک کا یہ توشہ ان کے لئے زادِ آخرت،سرمایہ نجات بن جائے گا۔اسی لئے وہ کہتے ہیں:

اللہ مدینے میں مجھ کو قضا دینا۔مٹی میرے طیبہ کی مٹی میں ملا دینا

کچھ شعر عقیدت میں یہ راز نے لکھے ہیں:

اللہ جزا اس کو تو روزِ جزا دینا

آقائے کائنات کی محبت جانِ ایمان ہے اگر یہ نہیں تو انسان ایمان سے خالی ہے یعنی مسلمان ہی نہیں ہے۔اس نظریے کو راز نے اس طرح نظم کیا ہے:

نہیں جس کے دل میں آقا کی محبت۔اُسے ایمان سے کیا واسطہ ہے

لاکھ پڑھ لیجئے نمازیں لاکھ حج کر لیجئے۔اُلفتِ آقا نہیں دل میں تو سب بیکار ہے

کلام میں تڑپ، یعنی خیال کے ساتھ جذبات کا شامل ہونا ضروری ہے، اگر کلام میں تڑپ یعنی جذبات کی آمیزش نہیں تو وہ شاعرانہ خیال نہ ہوگا بلکہ حکیمانہ یا واعظانہ خیال ہوگا۔رازؔ کے کلام میں تڑپ موجود ہے ملاحظہ ہو:

مرے مولا مرے دل کو تو ایسا آئینہ کر دے
نظر آئے رُخِ سرکار دل کے آبگینے میں
الٰہی زندگی دی ہے تو دکھلا دے مدینہ بھی
بھلا کیا فائدہ ہے دور رہ کر ایسے جینے میں
رضائے مصطفےٰ میں پہلے تو خود کو فنا کر لے
خدا پھر تجھ سے پوچھے گا بتا تیری رضا کیا ہے

غزل ایک آزاد صنفِ سخن ہے اس میں کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔شاعر اپنے خیالات و جذبات اور احساسات کا اظہار بلا تکلف کھل کر کر سکتا ہے لیکن نعت ایک ایسی صنفِ سخن ہے جس میں زبردست پابندیاں ہیں۔یہ بہت ہی دشوار فن ہے' قدم قدم پر خطرے ہیں اِس میں جوش کی نہیں ہوش کی ضرورت ہے۔رازؔ نے اس راز کو محسوس کیا، اسلئے وہ کہتے ہیں:

احتیاطوں کا تقاضا اس میں ہر اک گام ہے
نعت کے اشعار کہنا سب سے مُشکل کام ہے
یہ تو ان کا فیض ہے جو رازؔ کہہ لیتا ہے کچھ
ورنہ نعتِ مصطفےٰ کہنا بہت دشوار ہے

نعت گوئی کریں اپنے بس کا نہ تھا ہم کہاں اور کہاں مدحتِ مصطفےٰ
رازؔ ہم پہ نبی کا کرم ہو گیا ہم بھی نعتِ نبی گنگنانے لگے

نعتیہ شاعری کا ایک اہم وصف کلام میں عقیدت و محبت کے ساتھ ساتھ جدت و ندرت کا ہونا ہے۔اگر یہ نہیں تو کلام میں زور و اثر پیدا نہیں ہوتا۔رازؔ کے کلام میں یہ خوبی پائی جاتی ہے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

انہیں کا تذکرہ ہے ابتدا سے۔انہیں کا تذکرہ ہے انتہا تک
آقا کا تصرف اب خود سوچئے کیا ہوگا۔جب کام ہے کا ولیوں کا مُردوں کا جلا دینا
بڑی عظمت ہے آقا کی ہمیں تسلیم ہے لیکن۔نبی کا آستانہ پھر نبی کا آستانہ ہے

رازؔ کی نعتوں میں تصنع اور آورد نہیں ہے بلکہ اشعار دل کی گہرائیوں سے اُبھرے ہیں اور صفحۂ قرطاس پر موتی کی لڑی کی طرح چمک رہے ہیں۔ان میں حقیقی جذبات جلوہ گر ہیں۔درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

رکھ لیتا ہے ہمارا بھرم آپ کا کرم
ورنہ ہمارا کون یہاں غم گسار ہے
چوم لیتے ہیں عقیدت سے خود اک دوجے کو لب
کس قدر میٹھا محمد مصطفےٰ کا نام ہے
سمجھ میں نہیں آیا کسی کو رازؔ یہ اب تک
کہ جنت میں مدینہ ہے یا جنت ہے مدینے میں

سرکارِ کائنات ﷺ کی حدیث مبارک ہے "اوّل ما خلق اللہ نوری" اللہ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا فرمایا۔اس حدیث مقدس کی ترجمانی رازؔ نے بہت خوبصورتی سے اس طرح کی ہے:

نہ تھا جہان میں کچھ اُن کے نور سے پہلے۔نبی تھے دونوں جہاں کے ظہور سے پہلے
تھے کائنات سے پہلے حضور مرے مگر۔یہ کائنات نہیں تھی حضور سے پہلے

رازؔ کی شاعری قرآن و حدیث اور تہذیبی عوامل کی ترجمانی سے منور ہے اور پورا کلام عشق و محبتِ رسول سے مہکتے اشعار سے معطر ہے۔رازؔ کا بے لوث عشقِ رسول عظمتِ حبیبِ کردگار کو کس والہانہ انداز میں بیان کرتا ہے ملاحظہ فرمائیں:

وہ نعت ہی نہیں ہے بادشاہوں کے خزینے میں
جو نعمت بھیک میں ملتی ہے منگتوں کو مدینے میں
اُسے دنیا کا کوئی غم ہراساں کر نہیں سکتا
غمِ سرکارِ بطحا بس گیا ہے جس کے سینے میں
نبی کے قرب میں اس کو ٹھکانہ کاش مل جائے
الٰہی رازؔ مر کر دفن ہو جائے مدینے میں
عرش پر فرش پر لامکاں میں ذکر جاری ہے دونوں جہاں میں
ایسی کوئی جگہ ہی نہیں جس جگہ اُن کا چرچا نہ ہو

ایک سچے پکے سنی مسلمان کی سب سے بڑی اساس حُبِّ نبی ہے، جس کا دل محبتِ رسول سے خالی ہے وہ مسلمان کہلانے کا ہی حق دار نہیں ہے۔اس کا روزہ، نماز اور حج سب بے کار ہے۔تمام فضیلتوں اور سعادتوں کی بنیاد عشقِ رسول ہی ہے۔رازؔ اس حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں:

دل میں گر حُبِ شہہِ بطحا نہیں
پھر ترا سجدہ کوئی سجدہ نہیں
جو نبی کے ہاتھ سے مس ہو گیا۔جسم کیا کپڑا ابھی وہ جلتا نہیں
سنیوں کا آپ کے گستاخ سے۔کوئی رشتہ کوئی سمجھوتہ نہیں

ایک کامیاب شاعر اپنی شاعری میں صنعتوں کا استعمال بہت خوبی اور مہارتِ فن کے ساتھ کرتا ہے۔رازؔ نے دو صنعتوں کا یعنی صنعتِ تلمیح اور صنعتِ تضاد کا استعمال بہت خوبصورتی کے ساتھ کیا ہے:

صنعتِ تلمیح

جب شاعر اپنے کلام یا کسی آیت، حدیثِ مبارکہ، کسی مشہور تاریخی واقعہ یا کسی کہاوت کے طرف اشارہ کرتا ہے تو اُسے صنعتِ تلمیح کہتے ہیں۔رازؔ نے

اپنی شاعری میں کثرت سے اس صنعت کا استعمال کیا ہے، ملاحظہ ہوں:

پلٹ کے آیا ہے سورج قمر ہوا ٹکڑے۔ اشارے تم پہ مرے مصطفیٰ کے دیکھو تو

مسکرائے نبی تو ضیا ہوگئی۔ آپ کی یہ ادا معجزہ ہوگئی

نشانی دینا تھی دنیا کو تیری قدرت کی۔ وہ ڈوبا شمس پھرانا تو اک بہانا تھا

وہ چاہتا تو نہ سورج کو ڈوبنے دیتا۔ مگر خدا کو تصرف ترا دکھانا تھا

مصطفیٰ شہرِ علم و حکمت ہیں۔ اور علی ان کا باب کیا کہنے

میسر ہی نہیں ہے وہ گلاب و مُشک و عنبر کو

خدا نے جو مہک رکھی ہے آقا کے پسینے میں

صنعتِ تضاد

ایک ہی شعر میں ۲ لفظ ایک ہی طرح کے ہوں گے مگر معنی الگ الگ ہوں۔ اسے صنعتِ تضاد کہتے ہیں۔ راز نے اس صنعت کا استعمال بھی بڑی خوبصورتی کے ساتھ کیا ہے، ایک شعر ملاحظہ ہو:

جب اُن پہ مرنے والا بعد مرنے کے بھی زندہ ہے

بتاؤ پھر بھلا کیوں کر نہ ہوں میرے نبی زندہ

مصرعِ اولیٰ میں لفظ مرنے دو بار آیا ہے۔ ایک بار فدا ہو جانے کے معنی میں دوسری بار موت کے لیے، یہاں شعر میں صنعتِ تضاد ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں تمام سنیوں کے امام یعنی سنیت کی علامت ہیں۔ آپ عشقِ رسول کا ایسا مینارہ نُور ہیں جس کی ضیا پاشیوں سے تمام سنیوں کے ذہن و دل روشن ہیں۔ آپ عاشقِ صادق ہیں اس لیے ہر سنی مسلمان خواہ وہ کسی بھی سلسلے سے تعلق رکھتا ہو امامِ عشق و محبت سے عقیدت رکھتا ہے۔ راز خانقاہی مزاج کے ہیں، مئے حُبِ نبی سے سرشار ہیں۔ اسی نسبت سے اُنہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے بھی عقیدت و محبت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بعض نعتیہ اشعار امام احمد رضا کے نعتیہ اشعار کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

اللہ تبارک تعالیٰ واحد اور لاشریک ہے اور اس کے محبوب آقائے کون و مکاں یکتائے زمانہ ہیں۔ آپ جیسا نہ کوئی ہوا نہ ہوگا، اس کلیہ کو اعلیٰ حضرت نے اس طرح بیان کیا ہے:

ترے پایہ کا نہ پایا تجھے یک نے یک بنایا

بلال راز نے امام احمد رضا کے اس شعر کی ترجمانی اس طرح کی ہے:

اُن کے جیسا کوئی بھی نہ آیا اُن کے جیسا نہ رب نے بنایا

ان کا ثانی کوئی کس طرح ہو جسم کا جن کے سایہ نہیں ہے

اعلیٰ حضرت کا شعر ہے:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں۔ تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

بلال راز نے بھی اس مفہوم کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

دشت کو لالہ زار کرتے ہیں۔ وہ خزاں کو بہار کرتے ہیں

اعلیٰ حضرت کی نعت کا مقطع ہے:

لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا۔ خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

بلال راز نے اس کی ترجمانی اس طرح کی ہے:

تو ہے خالق کا خلق ہے تیری۔ تو خدا کا تری خدائی ہے

اعلیٰ حضرت نے اس واقعہ کی تصویر کشی اس طرح کی ہے: آقائے کائنات جب اس دنیا میں تشریف لائے تو خانۂ کعبہ کے سارے بُت ڈر و خوف سے کانپنے لگے۔

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا

تیری ہیبت تھی کہ ہر بُت تھرتھرا کے گر گیا

بلال راز نے اس شعر کی ترجمانی اس طرح کی ہے:

جب پیمبر کی دنیا میں آمد ہوئی ہر طرف چھا گئی روشنی روشنی

کعبۃ اللہ جھکا اُن کی تعظیم کو پتھروں کے صنم تھرتھرانے لگے

اس طرح کلامِ راز میں بہت سے اشعار ہیں جن میں کلامِ رضا کی ترجمانی ہے لیکن طوالت کے خوف سے سب کا ذکر ممکن نہیں۔ بلال راز نے سرور کون و مکاں کے اخلاق و عادات، علمِ غیب، رفعت، سر بلندی، تصرفات و اختیارات، آپ کی دستگیری و شفاعت، آپ سے عقیدت و محبت و غلامی وغیرہ تمام تشکیلی عناصر جو نعت مبارک کے لئے لازمی ہیں بڑی خوش اسلوبی اور مہارتِ تامّہ کے ساتھ استعمال کیے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی آرزو و تمنا، مناجات، حب نبی، سرکارِ دو عالم کا وسیلہ، اپنی عاجزی و انکساری، عقیدہ و عقیدت وغیرہ کا ذکر کر کے سرکار سے اپنی وارفتگی و شیفتگی اور والہانہ لگاؤ کا ثبوت قدم قدم پر پیش کیا ہے۔

میں بارگاہِ الٰہی میں دعا گو ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی اس عظیم کاوش کو قبول فرما کر اسے اُن کے لیے زادِ آخرت و ذریعۂ بخشش بنائے اور راز کی بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عقیدت کیشوں کے ثمرات و خیر و برکات سے ہم سب کو حصہ عطا فرمائے اور بلال راز کی نعتوں کی برکتوں سے قلب و نگاہ کو مجلّیٰ و مصفّیٰ کر دے۔ آمین ☆☆☆

اعتذار

گزشتہ شمارے میں انور سلیم صاحب کے شعری مجموعہ "فشارِ ریگ"، پر تبصرہ صفحہ نمبر 47 پر شائع ہوا ہے۔ مگر غلطی سے مجموعے کا نام "فشارِ سنگ" لکھ دیا گیا ہے۔ ادارہ اس فاش غلطی کے لیے معذرت خواہ ہے۔

سید وحید القادری عارفؔ

رازؔ کی باتیں

میری دانست میں اچھے شعر کی تعریف یہ ہے کہ وہ سامع یا قاری کے ذہن و دل پر نقش بر حجر کی مانند اثر انداز ہوتا ہے اور ناقابلِ فراموش بن جاتا ہے۔ کبھی معروف ترین شعراء کے اشعار بھی بار بار سننے کے باوجود حدودِ سماعت سے آگے درونِ قلب راہ نہیں پاتے اور کبھی کسی نوآموز شاعر کا کوئی شعر پہلی بار سننے پر ہی سیدھے نہاں خانۂ دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہی ہے ہم اکثر و بیشتر دنیائے شعر و ادب کی کئی نامی گرامی شخصیتوں کے نوادراتِ شعری سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں لیکن اس بحرِ ناپیدا کنار کی شناوری کرتے کرتے ہمارے سامنے کوئی ایسی تخلیق آ جاتی ہے جو ہمیں چونکا دیتی ہے اور ہم اس کے اندازِ بیان کی سحر خیزیوں میں کھو سے جاتے ہیں۔ لامحالہ ہم اس شاعر کے متعلق جاننے کی کوشش کرتے ہیں جو اس خوبصورت تخلیق کا تخلیق کار ہے اور ہمارے لئے یہ بات اور بھی چونکانے والی ہوتی ہے جب یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ کوئی کہنہ مشق شخصیت نہیں بلکہ خداداد صلاحیتوں سے مالامال ایک ایسا نوجوان شاعر ہے جس کے عرضِ ہنر کے صفحات قاری جس قدر اُلٹتا جایے گا اس کے عروجِ فن کا اتنا ہی قائل ہوتا چلا جایے گا۔ پچھلے زمانے میں یہ مطالعہ صرف کتابوں کی ورق گردانی تک ہی محدود ہوا کرتا تھا لیکن اِن دنوں سوشیل میڈیا اور خاص طور پر فیس بک نے اردوداں طبقے کے لئے عموماً اور شعراء اور ادیبوں کے لئے خصوصاً ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کر دیا ہے جہاں وہ باہم دیگر منسلک ہو گئے ہیں۔ شاعر و ادیب اپنی تخلیقات ایک دوسرے تک پہنچاتے ہیں تو شائقینِ ادب ان تخلیقات سے محظوظ ہوتے ہیں اور انہیں سراہتے ہیں۔ یہاں قلمی شہ پارے بھی ہوتے ہیں اور رطب و یابس کی کثرت بھی ہوتی ہے۔ مجھے بھی روزانہ متعدد شعرا کی غزلیات میں ٹیگ کیا جاتا ہے جن میں بعض بہت عمدہ ہوتی ہیں جو دل کو چھو لیتی ہیں' بعض اچھی ہوتی ہیں جن کو پڑھ کر مسرت ہوتی ہے اور بعض ایسی ہوتی ہیں جو قابل اعتناء بھی نہیں ہوتیں۔ بلال راز صاحب سے میرا تعارف بھی فیس بک پر اس وقت ہوا جب انہوں نے پہلی بار اپنے اشعار میں مجھے ٹیگ کیا۔ پھر میں نے انہیں فیس بک پر ہی وقتاً فوقتاً منعقد ہونے والے مشاعروں میں اپنا کلام پیش کرتے پایا۔ اب جب انہوں نے مجھ سے اپنے کلام پر اظہارِ خیال کرنے کی خواہش کی تو میں نے ان کے کلام کو باضابطہ پڑھنا شروع کیا اور پھر پڑھتا ہی چلا گیا۔ شعر کے بعد شعر، غزل کے بعد غزل۔ بہرحال دلچسپی ہے کہ کم نہیں ہوتی اور مجھے اس بات کا پوری طرح اندازہ ہو گیا کہ بلال رازؔ کا کلام بلا مبالغہ قاری کو اپنی جانب متوجہ کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ ان کے اشعار بتاتے ہیں کہ ان میں سخن فہمی کی خصوصیت بھی موجود ہے اور شعر گوئی کی صلاحیت بھی بڑے پیمانے پر پائی جاتی ہے۔ بریلی کی زرخیز سرزمین سے تعلق رکھنے والے اس نوجوان نے کم عمری میں ہی ایسے بلند پایہ اشعار کہہ ڈالے ہیں جن پر بسا اوقات شبہہ ہوتا ہے کہ ان کا خالق کبرِسنی کے ساتھ ساتھ ارتقائے فکر و فن کے مراحل طے کر چکا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ بلال رازؔ کا کلام دیکھ کر مجھے نہ صرف دلی مسرت ہوئی بلکہ مزید توقعات بھی قائم ہو گئیں کہ وہ مستقل میں بلندئ فکر و نظر کے مراتب پر فائز ہوں گے۔ کم عمری میں خیالات کی یہ پختگی صاف بتاتی ہے کہ بلال رازؔ اپنے بزرگوں کی روایات سے مضبوطی سے جُڑے ہوئے ہیں:

میری آنکھوں میں تجھے دیکھ لیا ہے سب نے
اک قیامت ہے میرے راز کا وا ہو جانا

ان کی شاعری گل و بلبل کی شاعری نہیں۔ وہ جب شعر کہتے ہیں تو ان میں ادراک و معرفت کا اظہار ہوتا ہے:

کیا عجب بات ہے پوشیدہ جہاں سے رہنا
پھر ہر اک شے میں ہی خود جلوہ نما ہو جانا

سونا سونا یہ ہمارا دل نہیں۔ اس مکاں میں اب رہا کرتے ہو تم
پہلے خود ہی درد دیتے ہو ہمیں۔ خود ہی پھر اس کی دوا کرتے ہو تم

تو کبھی وہ اپنی کامیابیوں کا سبب یوں بتاتے ہیں:

جو تجھ سے منسلک ہوا عزت اُسی کی ہے
تو جس پہ مہربان ہے قسمت اُسی کی ہے
ہے زندگی اُسی کی جو نزدیک ہے ترے
جو تجھ کو دیکھتا ہے بصارت اُسی کی ہے

وہ جب نعت کہتے ہیں تو دامانِ سرورِ کائنات علیہ افضل التسلیمات سے ان کی والہانہ وابستگی کا اظہار یوں ہوتا ہے:

ملک جس کے تلووں کے لیتے ہے بوسہ۔ ہمارا نبی وہ ہمارا نبی ہے

ترے نام کر دیا یہ جہاں خدا نے سرور۔ وہ فلک ترا فلک ہے یہ زمیں تری زمیں ہے

مجھے خوف ہی نہیں ہے غمِ زندگی کا کوئی

مرا غم گسار آقا مری جاں سے قریں ہے

وہ اکثر اپنے اشعار کے ذریعہ نہایت سادگی سے اپنے اطراف موجود ماحول کی آلودگی پر حیرانی جتاتے ملتے ہیں اور اس زبوں حالی سے افرادِ ملت کی بے حسی پر تشویش کا اظہار کرتے ہیں:

ہوس میں زر کی مجھے قتل کر دیا لیکن۔ بتا لہو کے علاوہ بدن سے کیا نکلا

بچھائے نفرتوں کے خار ہیں اہلِ سیاست نے

یہاں پر پیار کے بوٹے کھلانے کون آئے گا

بچا کر اپنے دامن کو گزر جائیں اگر سب ہی

تو دنیا سے برائی کو مٹانے کون آئے گا

بلال رشتوں کے درد کو بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں:

حقیقت تم کو کیا معلوم اس دردِ محبت کی

سمجھتے ہیں وہی اس درد کو جو درد والے ہیں

کبھی اس حقیقت کا اظہار کرتے ہے:

زمانے میں کوئی رشتہ ہوا س کو

بڑا مشکل نبھانا ہو گیا ہے

تو کبھی تعلقات کی گہرائی کو جانچنے کا آزمودہ نسخہ یوں بتاتے ہیں:

فقط اتنا سبب ہے یہ مرے بیمار ہونے کا

کہ میں دیکھوں عیادت کے بہانے کون آئے گا

عجز و انکساری ان کا طرۂ امتیاز ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ:

لے کے جائے جو حق تعالیٰ تک۔ راستہ بس وہ انکساری ہے

یہ تاج و تخت کبھی بھی نہ راس آئے مجھے

مقام اونچے فقیری نے ہی دلائے مجھے

ان کا پیغام محبت کے سوا کچھ اور نہیں:

مری سرشت محبت مرا پیام وفا۔ زمانہ کچھ بھی کہے مجھ کو پیار کرنا ہے

میں نے ان کے بعض اشعار بطور نمونہ پیش کیے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ قاری میری رائے سے ضرور متفق ہوں گے اور بلال رازؔ کے ''احساس کی خوشبو'' کو از ابتدا تا انتہا محسوس کرتے ہوئے ان راز کی باتوں کے ہمراز ہو جائیں گے:

رازؔ کا راز بس وہی جانے

رازؔ کی جس سے راز داری ہے

☆☆☆

(محمد بلال خاں رازؔ کی غزلیہ شاعری پر ایک نظر کا بقیہ)

وفا، اخلاص، ہمدردی، محبت

یہ سب باتیں کتابی ہو گئیں ہیں

خوف کھاتے ہیں حکومت سے زمانے والے

اور حکومت کو قلم کار سے ڈر لگتا ہے

جواب دینا ہمیں بھی بخوبی آتا ہے

مگر یہ سوچ کے چپ ہیں کہ انتشار نہ ہو

تمام لوگ ہیں اولادِ ایک آدم کی

یہ ذات پات کے جھگڑے عجیب لگتے ہیں

یہ بدلتے ہوئے منظر دیکھے نہیں جاتے

دستِ احباب میں خنجر دیکھے نہیں جاتے

ہمارے شہر میں جب انتخاب آئے گا

ہر اک نیتا نئے خواب لے کے آئے گا

تحریر کردہ تمام اشعار کے موضوعات مشاعرے کی ضرورت اور عوام کے ذوق کی تسکین کے حوالے سے تو اہمیت رکھتے ہی ہیں۔ لیکن یہ اشعار محمد بلال رازؔ کی حساس شعری فطرت کو بھی عیاں کرتے ہیں جو اردو غزل میں آگے چل کر ان کے نام کو درخشندگی عطا کر سکتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ انھیں مشاعروں کے سامعین کی شور زدہ داد کے حصار سے نکل کر اپنی شاعری پر سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا تا کہ ان کی تخلیقی اُمنگ پر مزید شباب آجائے۔ چونکہ ان کی شاعری کی روشنی میں ان کا شعری مستقبل بہتر نظر آتا ہے۔ میں اپنی بات ان کے ایک ایسے شعر پر ختم کر رہا ہوں جس کی معنویت میں ان کی شعری فکر کی روشنی پوری طرح ہویدا ہے۔ اس شعر میں اسلامی تاریخ کے ایک بہت ہی اہم واقعے کو موضوع بنایا گیا ہے جو ان کی اسلامی شاعری کے رجحان کا پتہ دیتا ہے۔

اس کو منظور حفاظت ہے تو تالے کیا ہیں

جالا مکڑی کا ہی کافی ہے بچانے کے لیے

☆☆☆

ہدایت اللہ شمسی
Etwa Bazar, Siddharthnagar
(U.P)

حالات کا ترجمان شاعر: بلال رآز بریلوی

شاعری قدرت کا ایک حسین تحفہ اور ادب کی ایک ایسی صنف ہے جس میں ہر انسان کے ذوقِ جمال کی تسکین کا سامان موجود ہے اور ہر کوئی اپنے بساط و مذاق کے مطابق فیض یاب ہوتا ہے اور اپنے دلی احساسات و جذبات کو شعری پیکر میں ڈھال کر دنیا کے سامنے اس طرح پیش کرتا ہے کہ کبھی اس کے ذریعہ معاشرے کی اصلاح اور اس کی تعمیر و تشکیل کا کام ہوتا ہے اور ہزاروں دلوں میں اخوت و بھائی چارے کی فضا قائم ہوجاتی ہے اور کبھی محبت کے خوبصورت پھول کھل اُٹھتے ہیں تو کبھی بغاوت کے شرارے انگڑائیاں لینے لگتے ہیں، دنیا میں انقلاب آجاتا ہے، حکومتوں کے تخت و تاج پلٹ جاتے ہیں یعنی شاعری ایک مضبوط ہتھیار ہے جس سے بڑے بڑے معرکے سر کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ آج کل زیادہ تر شعراء سماجی، تہذیبی اور سیاسی معنویت سے عاری شاعری کرنے پر تلے ہیں جن کو حسنِ یار، زلف و رخسار کی چمک دمک نے خیرہ کر رکھا ہے اور عشق و محبت کے تخلیقاتی افسانوں نے ان کے ذہنوں کو مفلوج اور ان کی شاعری کو مسخر کر کے انہیں کسی کام کا نہیں چھوڑا ہے۔ ایسے میں بلال رآز کی پاکیزہ خیالات، عصری، دینی، سیاسی، سماجی اور معاشرتی مسائل پر مبنی شاعری اردو غزل کے لئے خوش آئند، سماج و معاشرے کے لئے بڑی کارگر اور قابل تحسین ہے۔

موصوف بریلی کی علمی و ادبی زرخیز سرزمین سے تعلق رکھنے والے ایک حساس شاعر ہیں۔ آپ نے بچپن ہی سے دنیا کا بڑی گہرائی و گیرائی سے مطالعہ کرنا شروع کر دیا ہے جس کا احساس ان کے شاعری کے مطالعہ کے بعد ہوتا ہے۔ بلال رآز نے غزل، نظم، حمد و نعت، منقبت، سلام اور قطعہ جیسی تمام اصنافِ سخن میں بڑی کامیاب اور قابل ستائش طبع آزمائی کی ہے اور ان کی شاعری میں وہ سب کچھ ہے جو ایک اچھے شاعر و فن کار کے کلام میں ہونا چاہئے۔ موصوف انٹرنیٹ پر منعقد ہونے والے فی البدیہہ انٹرنیشنل مشاعروں میں باقاعدگی سے حصہ لیتے ہیں اور پوری دنیا کے نامور و کہنہ مشق شعراء سے خوب داد و تحسین حاصل کرتے ہیں اور کئی مشاعروں میں خود ان کے ساتھ شریک ہوا ہوں وہ اکثر برجستہ معیاری اشعار کہہ کر حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ چند قیمتی اور اعلیٰ اشعار آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

بھیڑ میں گونگوں کی پہچان بنانے کے لیے
حوصلہ چاہئے آواز اُٹھانے کے لیے

مزا تو تب ہے جب پوری طرح سے ہوش کھو بیٹھے
جسے اپنی خبر ہو ایسا دیوانہ نہیں اچھا

اپنی مٹی کے دیوں پر ہی قناعت کرلو۔ روز سورج کے یہ تیور دیکھے نہیں جاتے
کئی چراغوں کے چہرے اُترنے لگتے ہیں۔ کبھی جو کرتے ہیں ہم آفتاب کی باتیں

بلال رآز نے سماج کے موجودہ مسائل و عوامل اور دورِ حاضرہ کے حالات کو اپنی شاعری کا موضوع بنا کر بہترین اشعار تخلیق کیے ہیں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

دین انساں کی بھلائی کے لئے آیا تھا۔ رہ گیا اب یہ فقط کھانے کمانے کے لیے
کس کو مظلوم بتا دے کسے کہہ دے ظالم۔ آج کے دور کے اخبار سے ڈر لگتا ہے
اس کو بخشی گئی لشکر کی سپہ سالاری۔ جس کو میدان میں تلوار سے ڈر لگتا ہے
اپنی اولاد جب آ گئی درمیاں۔ بھائی کی بھائی سے دوریاں بڑھ گئیں
ہم نے جس پر بھی اعتبار کیا۔ پیٹھ پیچھے سے اس نے وار کیا
شوقِ سجادگی میں پیروں نے۔ کتنی قبروں کو ہے مزار کیا
رآز یہ ایسا دور ہے جس میں۔ زندہ رہنا بھی ایک کرامت ہے

بلال رآز کی زبان معیاری، صاف ستھری، پُر اثر اور دل میں اُتر جانے والی ہے۔ انہیں کم لفظوں میں بڑی بات کرنے کا ہُنر آتا ہے۔ اُن کا یہی اسلوب ہے جو اُن کے شعری حُسن میں چار چاند لگا دیتا ہے۔ چند اشعار پیشِ خدمت ہیں۔

ہو دعویٰ عشق کا اور آنکھ اشک بار نہ ہو۔ وہ کیسا عاشقِ صادق جو بے قرار نہ ہو
تری شراب میں نشہ نہیں رہا ساقی۔ تو ایک رند دکھا دے جو ہوشیار نہ ہو
ہمیں کانٹوں سے کب شکوے گلے ہیں۔ یہ گُل ہی خار بن کر چُبھ رہے ہیں
تمھیں اے دشمنو! ہم دیکھ لیں گے۔ ابھی ہم دوستوں میں پھنس گئے ہیں
ہزاروں جھوٹے ہو جاتے ہیں گونگے۔ کبھی جب ایک سچا بولتا ہے
نہیں جس کو سلیقہ بولنے کا۔ وہی سب سے زیادہ بولتا ہے

ان کی نظروں میں اپنے اسلاف و بزرگوں کی بھی بے حد عزت ہے اس لیے فرماتے ہیں:

ہم نے طوفان کو بھی رُکتے ہوئے دیکھا ہے
کیسے کہہ دیں کہ بزرگوں کی دعا کچھ بھی نہیں

(بقیہ صفحہ 29 پر)

فن وشخصیت

ڈاکٹرسید غلام ربانی ایاز سمبل پوری
E.A.C,Colony.BehindDistrictCout
Raipur-49200 *M.P
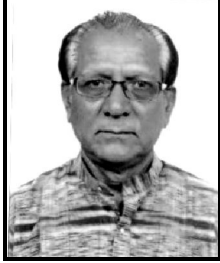
بلال خاں رازؔ کی شاعری کا تاثراتی جائزہ

تہذیب وتمدن،علم وعرفان کا گہوارہ،قدیم شہر بریلی، کے جواں شاعر محمد بلال خاں راز ابن محمد اسلم خاں،شاگرد رشید اسرار نسیمی ۱۵راپریل ۱۹۹۴ء کوننکرٹولہ پرانا شہر بریلی (یوپی) میں پیدا ہوئے ۔ایم کام،ایم اے اردو کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد غیر سرکاری ملازمت سے وابستہ ہیں ۔۲۰۱۰ء میں شعری سفر کا آغاز کیا۔حمد ونعت،سلام ومنقبت، غزل،قطعہ وغیرہ اصنافِ سخن میں با قاعدہ طبع آزمائی کے علاوہ مقامی اور بیرونی شہروں کے مشاعروں میں بھی شرکت کرتے ہیں۔اخبارات ورسائل میں کلام کی اشاعت کا سلسلہ بھی جاری ہے۔آکاش وانی بریلی،رامپور،اور دوردرشن لکھنؤ کے نشری پروگرام میں متعدد بار حصہ لے چکے ہیں۔ان کے کلام کے مطالعہ سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ ان کی شعری رفتار کربِ ذات سے کربِ کائنات تک کا احاطہ کرتی ہے۔ بعض اشعار ان کی شخصیت کے آئینہ دار بھی ہیں۔

موصوف کی دس غزلیں اور قریب تیس منتخب اشعار کا غائر مطالعہ کر کے میں نے محسوس کیا کہ ان میں شعری صلاحیت ہے اوراپنی بات کو سلیقے سے شعری جامہ پہنانے کا ہنر جانتے ہیں۔زبان سادہ وسلیس ہے اور کہیں پر بھی ترسیل وابلاغ کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ابھی تو ابتدائی سفر میں ہیں امید ہے آگے چل کر وہ اپنی شناخت بنانے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔خدا کرے اُن کی قلم کاری برابر جاری اور ساری رہے۔

موصوف کی شاعری کی دلکشی اُس کی خوش نما گھونگھٹ ہے۔ان کے سخن کا رنگ اور آہنگ منفرد اور ممتاز ہے۔اپنے شیریں وتلخ تجربات کو شعری زبان دے کر کہیں طنز کے نشتر چلاتے ہیں تو کہیں انسانی دکھ درد کی عکاسی کرتے ہیں۔چنانچہ ان کا کلام کئی زاویوں سے قاری کو اپنی جانب متوجہ اور متاثر کرتا ہے۔اس لئے ان کے کلام کی پذیرائی ہمیشہ ہوتی رہی ہے اور آگے بھی ہوتی رہے گی۔

بہر کیف رازؔ کا کلام قاری کے ارفع واعلیٰ جذبات کو جگاتا ہے اور شاعر سے درد کا رشتہ قائم کرتا ہے۔ان کے کلام کی شیریں بیانی اور خوبصورتی،ذوق وشوق کو اُجاگر کر کے قاری کو مسرت سے ہمکنار کرتے ہوئے دل کے نازک ترین بھاؤناؤں کو چھوتی ہیں۔

ان کی شاعری میں جو خاص بات نظر آئی وہ صنائع بدائع،استعارات محاورات کا برملا استعمال ہے اوران صنعتوں کا استعمال اس طرح کرتے ہیں کہ شعر کے مفاہیم تک قاری کی رسائی آسانی سے ہو جاتی ہے۔زبان وبیان کی خوبی الگ سے متاثر کرتی ہے۔یہ اشعار سیدھے دل میں اتر جاتے ہیں۔شعری جمالیات' خوبصورتی اور دلکشی اضافہ کا باعث ہے۔یہ بات سچ ہے کہ شاعری عطیہ الٰہی ہے پھر بھی شعرِ تر کہنے کے لیے شاعر کو خونِ جگر پلانا پڑتا ہے۔

بلال رازؔ نے کس سلیقے سے صنعتوں کا استعمال کیا ہے،اس کا نمونہ پیش کرتا ہوں۔

(۱)صنعتِ تشبیہہ:

تری باتیں کسی نیتا کی طرح لگتی ہیں
صرف وعدے ہی کئے تو نے کیا کچھ بھی نہیں
ایسا نظام زیست جہاں میں کہیں نہیں
دیتی ہے جو نظام شریعت رسول کی

(۲)صنعتِ استعارہ:

ہموار وصل یار کا رستہ خدا کرے
اس دل کی بے کلی کا خدا خاتمہ کرے
چہرہ ہی صاف کرتے ہیں اے رازؔ یہ بشر
دل کو بھی صاف کر کے کوئی آئینہ کرے

(۳)صنعتِ تلمیح:

خلیفہ رب کا کہلایا گیا ہوں
فرشتوں سے بھی منوایا گیا ہوں
اس کو منظور حفاظت ہے تو تالے کیا ہیں
جالا مکڑی کا ہی کافی ہے بچانے کے لئے

(۴)محاورہ بندی:

خدا لگتی کہوں تو صوفیوں میں
خدا کا راز بتلایا گیا ہوں
اے غمِ ہجر تیرے صدقے

دامنِ ضبط تار تار کیا

(۵)معراجِ خیال:

وفا،اخلاص، ہمدردی، محبت
یہ سب باتیں کتابی ہیں

(۶)سہلِ ممتنع:

یہ تکبر تمہیں مبارک ہو
اپنا مسلک تو خاکساری ہے
یہ دنیا میرا اصلی گھر نہیں ہے
میں جنت سے یہاں لایا گیا ہوں

(۷)پیغام:

میری سرشت محبت میرا پیام وفا
زمانہ کچھ بھی کہے مجھ کو پیار کرنا ہے
تمام لوگ ہیں اولاد ایک آدم کی
یہ ذات پات کے جھگڑے عجیب لگتے ہیں

مذکورہ بالا کوائف کے پیشِ نظر کہا جاسکتا ہے کہ اپنے ابتدائی سفر میں بلال رازؔ نے اپنی شعری صلاحیت کا جس طرح ثبوت دیا ہے اگر سنجیدگی سے مشق ومزاولت جاری رکھیں تو مستقبل میں اپنی شناخت بنالیں گے۔میری نیک خواہشات ان کے ساتھ ہیں۔

☆☆☆

(حالات کا ترجمان شاعر: بلال رازؔ بریلوی)

بلال رازؔ کی شاعری میں جہاں اور خوبیاں ہیں وہیں خودداری و عزتِ نفس کی جلوہ نمائیاں بھی جابجا دیکھنے کو ملتی ہیں۔وہ خوددار طبیعت کے مالک ہیں۔ فرماتے ہیں:

سرِ محفل تماشا اپنا بنوانا نہیں اچھا۔جہاں عزت نہ ملتی ہو وہاں جانا نہیں اچھا
مرے نزدیک بھوکا رہ کے مرجانا تو اچھا ہے۔کسی کے سامنے پر ہاتھ پھیلانا نہیں اچھا
ہم سے خوددار کچھ امداد نہ لیں گے اُن سے۔جو مدد کرتے ہیں احسان جتانے کے لیے
جب کوئی تجھ کو بلانا چھوڑ دے۔اُس کے گھر پھر تو بھی جانا چھوڑ دے
سب کی نظروں سے گرادے جو تجھے۔ایسا پانی ایسا دانا چھوڑ دے
اپنی خودداری کی بھی کچھ لاج رکھ۔ ہر جگہ سر کو جھکانا چھوڑ دے

بلال رازؔ اس راز سے بھی بخوبی شناسا ہیں کہ انسان کتنی ہی ترقیاں کر لے لیکن اسے ہمیشہ زمین دیکھ کر ہی چلنا چاہئے۔اگر وہ بلندیوں پر غرور کرنے لگا تو ایک نہ ایک دن اسے قدرت کے عذاب کا شکار ہونا پڑے گا۔اس لئے رازؔ نے عاجزی وانکساری کو اپنا شیوہ بنالیا ہے۔کچھ اشعار ملاحظہ کریں:

یہ تکبر تمھیں مبارک ہو۔اپنا مسلک تو خاکساری ہے
عمل پر اپنے جو مغرور ہوگا۔رضائے کبریا سے دور ہوگا
ہمیں دعویٰ نہیں ہے شاعری کا۔بس اپنا شوق پورا کر رہے ہیں
رازؔ جب خود سے کبھی پوچھتا ہوں کون ہوں میں
میرے اندر سے یہ آتی ہے صدا کچھ بھی نہیں

کتنے سلیقے اور عمدگی سے انہوں نے مختلف حالات کو اشعار کا جامہ پہنا کر پیش کیا ہے۔بلال رازؔ کم عمری میں ہی ایسے بلند پایہ شعر کہہ رہے ہیں جنہیں پڑھ کر قاری کا دل عش عش کر اُٹھتا ہے۔موصوف کا کلام سلاست و بلاغت کا حسین نمونہ ہے اور اس میں نفاست وترنم کا خوبصورت امتزاج بھی ہے جو قاری کے دل و دماغ پر گہرا اثر مرتب کرتا ہے۔ان کے یہ زیرِ نظر اشعار ان کے وسیع مطالعے اور گہرے مشاہدے و تجربوں کا نچوڑ ہیں۔مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ بلاشبہہ بلال رازؔ عصر حاضر کے مقبول ومنفرد لب ولہجہ کے شاعر ہیں جن کا شعر کہنے کا اپنا ایک جداگانہ انداز ہے۔اُن کا یہ مخصوص لہجہ کسی سے مستعار نہیں لیا گیا ہے بلکہ اس میں ان کی ہی اپنی ریاضت ومحنت نظر آتی ہے۔وہ دن دور نہیں جب بلال رازؔ کی شاعری کو عالمی سطح پر پذیرائی حاصل ہوگی اور اُن کا نام ملک کی سرحدوں سے نکل کر بیرونِ ممالک میں بھی خوب خوب روشن ہوگا۔میں ان کی اس اعلیٰ اور بے مثال کاوش پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے فکر و شعور میں مزید بالیدگی پیدا فرمائے اور ان کی شاعری کو عوام وخواص میں یکساں مقبولیت عطا فرمائے آمین۔

☆☆☆

بلال رآز کی تخلیقی کائنات

غزلیات

اُن کی قربت میں شب گزاری ہے
اس لئے صبح تک خماری ہے
بے قراری ہے اشک باری ہے
بس یہی زندگی ہماری ہے
بے خودی کا ہوا ہے وہ غلبہ
سہمی سہمی سی ہوشیاری ہے
یہ تکبر تمھیں مبارک ہو
اپنا مسلک تو خاکساری ہے
تم ہمارے ہی دل میں رہتے ہو
اور ہم سے ہی پردہ داری ہے
رآز کا راز بس وہی جانے
رآز کی جس سے پردہ داری ہی

بھیڑ میں گونگوں کی پہچان بنانے کے لیے
حوصلہ چاہئے آواز اٹھانے کے لیے
جب بھی آتے ہوتو جانے کے لیے آتے ہو
تم مرے گھر میں کبھی آؤ نہ جانے کے لیے
دین انساں کی بھلائی کے لیے آیا تھا
رہ گیا اب یہ فقط کھانے کمانے کے لیے
روز دو روز کا قصہ نہ سمجھئے اس کو
عشق تو ہوتا ہے اک عمر رلانے کے لیے
اس کو منظور حفاظت ہے تو تالے کیا ہیں
جالا مکڑی کا ہی کافی ہے بچانے کے لئے
موت کے بعد مری،راز پڑھے جائیں گے
میرے اشعار ،میری یاد دلانے کے لئے

اُن کی آنکھوں سے ایسی پی کل رات
مٹ گئی ساری تشنگی کل رات
جان جاتی رہی مری کل رات
یاد آتی رہی تری کل رات
اُن کی آنکھوں میں ڈال کر آنکھیں
لُٹ گئے ہم خوشی خوشی کل رات
وہ جو آئے تو پڑ گئی پھیکی
سب چراغوں کی روشنی کل رات
نیند میں اس کو جس گھڑی دیکھا
نیند آنکھو ں سے اُڑ گئی کل رات
رآز پہلو میں چاند تھا میرے
اور گھر میں تھی چاندنی کل رات

ہموار وصلِ یار کا رستہ خدا کرے
اس دل کی بے کلی کا خدا خاتمہ کرے
جو دوستی کا رشتہ بناکر دغا کرے
ایسے بشر کا کوئی بھروسا بھی کیا کرے
ان کو تو بے حجاب ہی آنا ہے بزم میں
دیوانہ کوئی ہوتا ہے تو وہ ہوا کرے
سمجھے ہے کوئی دوست مجھے تو کوئی عدو
کوئی دعا کرے ہے کوئی بد دعا کرے
چہرہ ہی صاف کرتے ہیں اے رآز یہ بشر
دل کو بھی صاف کرکے کوئی آئینہ کرے

جدھر سے دیکھو لاثانی لگے ہے
وہ پریوں کی مہارانی لگے ہے
محبت کرنا نادانی ہے لیکن
بڑی پیاری یہ نادانی لگے ہے
یہ دستک اُس کے ہاتھوں کی نہیں ہے
کسی بچے کی شیطانی لگے ہے
ہم ایسے دور میں بھی ہیں جو زندہ
کسی کا فیض روحانی لگے ہے
محبت اب کہاں وہ پہلے والی
کہ اب ہر عشق جسمانی لگے ہے

وہ عطا مجھ کو جام جم کردے
جو مری تشنگی کو کم کردے
دور کیوں ہے مرے قریں آجا
فاصلے درمیاں کے کم کردے
دھیرے دھیرے نہ لوٹ ہوش مرے
مجھ کو دیوانہ ایک دم کردے
جیسا بھی ہوں مگر مرے مولا
تیرا بندہ ہوں تو کرم کر دے
جو بچالے اِسے ہر اک غم سے
تو عطا رآز کو وہ غم کردے

بلال رآز کی تقدیسی شاعری

نعتِ پاک

سائلوں کو حسبِ منشا مل گیا
جو بھی مانگا جتنا مانگا مل گیا
یہ شمار اب تک نہ ہم سے ہو سکا
اُن کے صدقے ہم کو کیا کیا مل گیا
میری نسلوں کی بھی نسلیں کھائیں گی
آپ سے گر ایک ٹکڑا مل گیا
سر زمیں طیبہ کی اِترانے لگی
مصطفےٰؐ آئے تو رتبہ مل گیا
آزمایا ہے بہت پڑھ کر درود
جب کبھی کچھ ہم نے ڈھونڈا مل گیا
کب کہاں کیسے گزاریں زندگی
رآز آقا سے طریقہ مل گیا

نعتِ پاک

میرے آقا فکرِ اُمت آپ کی اچھی لگی
وہ دعائے ''رب ھب لی اُمتی''اچھی لگی
جابجا مدحت رسولِ پاک کی اچھی لگی
جب ثنا قرآن میں اُن کی پڑھی اچھی لگی
اُن کے کپڑوں میں ہے پیوند استراحت فرش پر
سروری میں بھی نبی کی سادگی اچھی لگی
کس ادب سے آتی جاتی ہے درِ سرکار پر
تیری اے بادِ صبا شائستگی اچھی لگی
غیر قوموں کا طریقہ ہم بھلا اپنائیں کیوں
ہم کو بس اپنے نبی کی پیروی اچھی لگی
پیراہن اپنا رسولِ پاک نے بھیجا قرن
اپنے عاشق کی اُنہیں جب عاشقی اچھی لگی
رآز یوں تو ہیں ادب میں اور بھی صنفِ سخن
پر ہمیں نعتِ نبی کی شاعری اچھی لگی

نعتِ پاک

باپ ماں بہن بھائی دور سب بھگائیں گے
بس نبی ہی محشر میں اپنے کام آئیں گے
اس کی حاضری ہوگی وہ جسے بلائیں گے
یوں تو سب ہی کہتے ہیں ہم مدینے جائیں گے
شان ان کے منگتا کی دیکھ لیں اگر آکر
تاجور شہنشاہی اپنی بھول جائیں گے
ہم خدا کے بندے ہیں اُمتی ہیں آقا کے
خود ہی مٹتے جائیں گے جو ہمیں مٹائیں گے
دیکھنا سرِ محشر لوگ جو نمازی ہیں
چاند کی طرح ان کے چہرے جگمگائیں گے
اپنی روزی روٹی کی رآز فکر کیوں کر ہو
وہ ہمیں کھلاتے ہیں وہ ہمیں کھلائیں گے

منقبت

کتنی بلند مسند رفعت علی کی ہے
قرآن کی زباں پہ بھی مدحت علی کی ہے
گلزار اہل بیت کے ہر ایک پھول میں
نکہت ہے فاطمہ کی تو رنگت علی کی ہے
ایمان کی ہے سب کو ضرورت جہان میں
ایماں کو سچ کہوں تو ضرورت علی کی ہے
کعبے کی دید کا ہے ہمیں شوق اس لئے
کعبہ شریف جائے ولادت علی کی ہے
مولا علی کا بغض علامت ہے کفر کی
ایمان کی نشانی محبت علی کی ہے
پائی علی کے گھر سے ہی اس نے حیاتِ نو
اسلام آج زندہ بدولت علی کی ہے
ہم لوگ روزِ حشر بھی ہوں گے علی کے ساتھ
دل میں ہمارے رآز محبت علی کی ہے

نعتِ پاک

دل میں گر حبِ شہہ بطحا نہیں
پھر ترا سجدہ کوئی سجدہ نہیں
فائدہ پھر میری آنکھوں کا نہیں
گنبدِ خضریٰ اگر دیکھا نہیں
جو نبی کے ہاتھ سے مَس ہوگیا
جسم کیا کپڑا بھی وہ جلتا نہیں
بس غلامی میں نبی کی ہے نجات
اور کوئی دوسرا رستہ نہیں
حکم رب ہے اُن سے ''اُنظرنا'' کہو
مومنو تم ''راعنا'' کہنا نہیں
بیچ دے خود کو نبی کے نام پر
رآز یہ نقصان کا سودا نہیں

منقبت

علی حیدر ہے سرورِ عالم کی اُمت کا
علی کے در سے سب کو راستہ ملتا ہے جنت کا
علی کے گھر میں زہرہ ہیں' حسن ہیں' شاہِ کربل ہیں
علی کے گھر میں لوگوں کو گماں ہوتا ہے جنت کا
شجاعت سے بھرم ہوتا ہے لوگوں کا زمانے میں
مگر مولا علی سے ہے بھرم قائم شجاعت کا
علی کو چھوڑ کر کوئی نبی کو پا نہیں سکتا
حقیقت میں علی رستہ ہیں دربارِ رسالت کا
بڑا احسان ہو مولا اگر مقبول فرمائیں
کیا ہے رآز نے جو پیش نذرانہ عقیدت کا

تنویر اختر رومانی

59, Chuna Shah Colony, P.O. :
Maango, Jamshedpur-831012 ob. 7004384853,
E-mial. taroomani@gmial.com

ڈاکٹر شاہد جمیل کے افسانوں کی انفرادیت

(مجموعہ 'اَبابیل کی ہجرت' کے تناظر میں)

ڈاکٹر شاہد جمیل افسانوں کی دنیا کا ایک شناسا نام ہے۔ ۱۹۹۱ء میں اُن کی ایک تنقیدی کتاب 'امراؤ جان ادا: ایک مطالعہ' منظر عام پر آئی تھی۔ اِس طویل دورانیے (۲۸؍برس) میں اُن کی کوئی طبعزاد کتاب منصۂ شہود پر نہیں آئی۔ البتہ دو اُردو کتابوں کا ہندی میں اور تین ہندی کتابوں کا اُردو میں ترجمہ طبع ہو چکا ہے۔ ہاں، ایک خاص بات اور، محکمہ کابینہ سکریٹریٹ کے اُردو ڈائرکٹوریٹ کے سہ ماہی اُردو رسالے 'بھاشا سنگم' کے لائق و فائق مدیر کی حیثیت سے اُردو والوں سے داد و تحسین وصول کر چکے ہیں۔ وہ بہار سرکار کی ملازمت سے ۲۸؍فروری ۲۰۱۸ء کو راج بھاشا افسر (اُردو) کے منصب سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔

'اَبابیل کی ہجرت' ڈاکٹر شاہد جمیل کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ہے، جو ۲۰۱۸ء میں منظر عام پر آیا۔ پہلی نظر میں، اِس کتاب میں ایک خوش آئند امر یہ آشکارا ہوتا ہے کہ مصنف نے اپنے افسانوں کے تعارف کے لئے کسی معروف یا معتبر ناقد/ فنکار کی بیساکھی نہیں استعمال کی۔ اپنے فن کے تئیں یہ مصنف کی خود اعتمادی کی واضح دلیل ہے۔ بے جا روایت سے اِس بغاوت پر میں اُنہیں ہدیہ تہنیت پیش کرتا ہوں۔

فلیپ یا سرورق کی پُشت پر بھی کسی کی رائے درج نہیں ہے۔ اس کی بجائے دونوں فلیپ اور پشت پر مصنف نے اپنے آٹھ افسانوں سے خوبصورت اور قابلِ ستائش اقتباسات درج کئے ہیں۔ نیز ایک اندرونی صفحے پر ڈاکٹر زاہد انور نے مجموعے کے دو افسانوں کے قابل ذکر اقتباسات فراہم کئے ہیں۔

ہر افسانے کے آخر میں، اُن رسالوں کے نام مع ماہ و سال درج ہیں، جن میں افسانے چھپ چکے ہیں۔ چار افسانوں 'مردم گزیدہ'، 'نجات'، 'تہی دست'، 'تھو تھو' کو چھوڑ کر سبھی افسانے دو یا دو سے زاید رسالوں کی زینت بنے ہیں۔ ''من آنم کہ من دانم'' کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ اُن رسالوں کے مدیران نے قصداً اِن مطبوعہ افسانوں کو شائع کیا ہے۔ مدیر حضرات کے اِس عمل سے اِن افسانوں کو معیاری اور قابلِ قدر ہونے کی سند فراہم ہوتی ہے۔

'ابابیل کی ہجرت' میں کل پندرہ افسانے شامل ہیں۔ افسانوں کی ترتیب وطوالت یوں ہیں: ۱۔ جالے میں پھنسی مکڑی (۱۴؍صفحات) ۲۔ گردشِ ایّام (۱۴؍صفحات) ۳۔ مردم گزیدہ (۱۴؍صفحات) ۴۔ دست و بازو (۱۶؍صفحات) ۵۔ مہاجر (۱۲؍صفحات) ۶۔ اپنے پرائے (۱۴؍صفحات) ۷۔ نجات (۱۴؍صفحات) ۸۔ ایک جنگ اور (۲۰؍صفحات) ۹۔ تہی دست (۱۰؍صفحات) ۱۰۔ تحفہ (۱۰؍صفحات) ۱۱۔ تھو تھو (۱۰؍صفحات) ۱۲۔ داغ (۱۲؍صفحات) ۱۳۔ محبت کا صلہ (۱۲؍صفحات) ۱۴۔ صحرا میں بھٹکتی چڑیا (۹؍صفحات) ۱۵۔ اَبابیل کی ہجرت (۱۰؍صفحات)۔ گویا اِس مجموعے میں سب سے طویل افسانہ 'ایک جنگ اور' ہے جبکہ سب سے چھوٹا افسانہ 'صحرا میں بھٹکتی چڑیا'۔

بعض قارئین کو یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اِس الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کے عہد میں، جبکہ کتابیں پڑھنے کا رُجحان مایوسی کی حد کو چھوٗ رہا ہے، اتنے طویل طویل افسانے پڑھنے کا گراں بار کون اٹھائے؟ یہ سوال اپنی جگہ درست سہی، لیکن ڈاکٹر شاہد جمیل کے افسانوں کی قرأت سے گراں باری کا بھرم ٹوٹ جائے گا، کیونکہ اِن کے افسانوں کا ڈکشن نہ صرف دلکش ہے بلکہ بے حد متاثر کن بھی۔ تحریر میں اتنی چاشنی ہے کہ افسانہ ختم کرنے کے بعد اُس کے ختم ہوجانے کا شدّت سے احساس ہوتا ہے۔ ذہن و دل کے کسی گوشے میں یہ خواہش جاگزیں رہتی ہے کہ ابھی افسانہ ختم نہ ہوتا تو اچھا تھا۔ یہ اُن کے افسانوں کا باطنی حسن ہے۔

ہم جب ڈاکٹر شاہد جمیل کے افسانوں کے بطن میں اُترتے ہیں تو کچھ مزید اوصاف نظر آتے ہیں۔ اُنہوں نے معاشرتی رسم و رواج، روایات اور لسانی تہذیب کا مشاہدہ گہرائی سے کیا ہے۔ اِسی لئے وہ اپنے افسانوں میں اپنے کردار کی زبان کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ یعنی جس ماحول کا کردار چنتے ہیں، اُسی ماحول کی مناسبت سے زبان کا استعمال کرتے ہیں، خصوصاً بہار کے مختلف علاقوں کے۔ ٹھیٹھ ہندی الفاظ کو چست درست اور بڑی مہارت سے برتتے ہیں۔ جملے برجستہ استعمال کرتے

ہیں ۔ مکالموں میں الفاظ کی شمولیت اور پیوندکاری میں تصنع کا شائبہ تک نہیں ہوتا ، بلکہ فطری محسوس ہوتی ہے۔

دل کو چھوٗ لینے والے کئی کئی مکالمے اُن کے سبھی افسانوں میں ملیں گے۔ ڈاکٹر شاہد جمیل متاثرکن تمثیلات وتشبیہات اور بامحاورہ فقروں کے توسل سے قارئین کے دل وذہن میں اُتر جانے کا ہنر جانتے ہیں۔ چند خوبصورت اور دل نشیں جملے اور فقرے ملاحظہ فرمائیں۔

☆''بے اولاد انسان کی زندگی بھی بے چاند آسمان کی طرح سونی اور اُداس ہوتی ہے۔''(جالے میں پھنسی مکڑی)

☆''زمین اور آدمی حالات سے سمجھوتہ کرلیتا ہے۔''(گردشِ ایّام)

☆''رورو کر لوگوں کی آنکھیں ناکارہ نہر سی خشک ہوچکی ہیں۔''(مردم گزیدہ)

☆''سمجھتے کیوں نہیں، زمین اور عورت بیج رکھ نہیں پاتی۔''(دست وبازو)

☆''ریشمی دھاگے میں غلطی سے بھی گرہ پڑجائے تو وہ گانٹھ کھولے نہیں کھلتی....''(مہاجر)

☆''پردیس میں تو اپنوں سے بڑھ کر پیسے ہی کام آتے ہیں۔''(اپنے پرائے)

☆''کوئلے کی کان سے نکلا مزدور ہو یا انجینئر ، دونوں کے چہرے سیاہی مائل ہوتے ہیں، چلّر کے ڈر سے لنگوٹ نہیں پھینکا جاتا۔''(ایک جنگ اور)

☆''بیٹا! وقت ہر زخم بھر دیتا ہے۔ بیوی کے بغیر جوانی کاٹی جاسکتی ہے ، بڑھاپا نہیں۔''(تہی دست)

☆''رضّو! مرد سوئی سا اور عورت دھاگے سی ہوتی ہے ، جو کنبے کو جوڑتی رہتی ہے۔''(تھوٗتھوٗ)

☆''تڑپ اور کشش بنائے رکھنا ، اڑتی پتنگ کو قابو میں رکھ کر اڑانے جیسا کٹھن ہے....''(داغ)

☆''پھر اُسے ماں بابوجی سے زیادہ دادی ماں کی چنتا ستانے لگی کہ وہ ٹوٹے سپنے کی کرچیوں سے اپنے وجود کو لہولہان کرلیں گی۔''(محبت کا صلہ)

☆''کولہو کا بیل چلتا دن بھر ہے، لیکن پہنچتا کہیں نہیں۔''(اَبابیل کی ہجرت)

میں نے ہر افسانے سے صرف ایک ایک فقرہ بطور نمونہ آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ ورنہ اِس طرح کے بے شمار دل نشیں اور ذہن کو جھنجھوڑنے والے فقرے پوری کتاب میں بھرے پڑے ہیں۔

ڈاکٹر شاہد جمیل تشبیہات وتمثیلات کے بادشاہ ہیں۔ اُن کے تمام افسانوں میں بڑے مناسب، دل نشیں اور حسبِ حال ضرب الامثال، استعارے ملیں گے، جو کہانی میں حسن پیدا کردیتے ہیں۔ وہ منظرکشی پر اُترتے ہیں تو منظر کے ایک ایک جزو کو اُبھار کر رکھ دیتے ہیں۔ گرچہ کسی کسی افسانے میں منظرکشی کی ضرورت نہیں ہوتی، مگر اِس سے افسانے کے حسن میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

'ایک جنگ اور' محکمہ جاتی بدعنوانیوں پر مبنی ایک معیاری اور ماسٹر پیس افسانہ ہے۔ اِسی افسانے سے، بانگی کے طور پر ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر کے ذریعہ صاف کرائے ویٹنگ روم کے حمام میں جب مسافر اَفسر ضروریات سے فارغ ہونے کے لئے جاتا ہے۔

''انتظام تازہ تھا۔ فنائل کی بوٗ تیز تھی۔ صابن کی ٹکیہ کے ساتھ شیمپو کا منی پاؤچ بھی رکھا تھا۔ جگہ جگہ مکڑیوں کے جالے تھے، جن میں چوکنّی مکڑیاں اور کیڑے مکوڑوں کی جھولتی کھوکھلی لاشیں تھیں۔ چھپکلیاں گھڑیال سی بے خوف پڑی تھیں۔ اینٹ گھسا کر روشندان کو بند کردیا گیا تھا۔ ناکارہ فلش کے اوپر بنا مینے کا گھونسلہ ویران تھا۔ مستقل بند کھڑکی پر نیم سوختہ آنسو بہائے اُنگلی بھر لمبا کینڈل سر کٹے بت کی طرح ایستادہ تھا۔ رفع حاجت کے دوران منچلوں نے دیوار پر انسان وحیوان کے جنسی اختلاط کی تصاویر بنا کر فحش جملے بھی رقم کردیئے تھے۔ اُن پر چونا پھیرا گیا تھا۔ پھر بھی تصاویر وتحریر نظر آرہی تھیں۔ پلاسٹک کی گھناؤنی بالٹی، موبل کا سر بریدہ ڈبّہ، ہینڈل ٹوٹا جگ اور کونے میں پیک وکھینی کی غلاظت کے داغ دھبوں سے شدید کراہت پیدا ہوئی۔ کسی طرح ضروریات سے فارغ ہوکر میں لوٹ آیا۔''

منظرکشی میں جزویات نگاری کی ایک اور مثال کا ناظرہ کریں۔

''رانی برآمدے اور احاطے کے بلبوں کو جلا کر نکلی تھی۔ راجکماری کو فلیٹ خوبصورت لگا۔ لت دار پھولوں سے ڈھکا محراب نما گیٹ جاذب نظر تھا۔ اس کے دائیں شمی اور بائیں ہارسنگار کا پیڑ تھا۔ رجنی گندھا اور رات کی رانی کے پودوں کے پاس پانی بھرا لکڑی کا تسلا رکھا تھا۔ رات کی رانی کا گھنا پودا تھوڑی دیر پر اپنی خوشبو اسپرے کررہا تھا۔ چھوٹے سے صحن میں چھتری لگا ایک جھولا بھی تھا۔ سجا کر رکھے گئے گملوں میں طرح طرح کے پھول اور کئی قسم کے کیکٹس لگے تھے۔ برآمدے میں گوریّے کے گھونسلے تھے۔ اُسے لگا کہ فضا میں صحرا جیسی خاموشی، سوناپن اور ہوا میں اداسی گھلی ملی ہے۔''(صحرا میں بھٹکتی چڑیا)

ڈاکٹر شاہد جمیل کے زیادہ تر افسانوں میں کہانی پن کی کمی کا ملال ہوتا ہے، لیکن وہ اپنے دلچسپ جملوں، رومانی اور دل گداز مکالموں، معنی خیز فقروں کے ذریعہ اِس ملال کو سبوتاژ کردیتے ہیں۔ اُن کے بعض افسانوں کا کینوس بہت چھوٹا ہے، لیکن دل نشیں اقتباسات اور 'سنہری اقوال' قسم کے مکالموں اور ماجرا سے متعلق یا غیر متعلق منظرکشی کی رنگ آمیزی سے افسانے کے منظرنامے کو شوخ اور دلفریب بنادیتے ہیں۔ موصوف پلاٹ اور ماجرا سازی سے بھی افسانوں میں جان پیدا کردیتے ہیں، جس کا سب سے

بڑا فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ کہانی پن کے فقدان کا عیب قاری کی نظروں اور ذہن سے یکسر محو ہو جاتا ہے۔ اِس کی بین مثال 'مہاجر'، 'گردشِ ایّام'، 'تحفہ'، 'صحرا میں بھٹکتی چڑیا'، 'تھوٗ تھوٗ' اور 'محبت کا صلہ' وغیرہ ہیں۔

مجموعے کے تقریباً ہر افسانے میں انسانی درد والم ایک مشترک امر ہے۔ کسی افسانے میں ضعیف ماں کے سینے میں بیٹے اور بہو کی بے التفاتی کا درد ہے تو کہیں دادا دادی کے دل میں اپنے پوتے اور پوتی کی بے توجہی کا، کہیں شوہر کو بیوی کی بے وفائی کا غم ہے تو کہیں بیوی کو اپنے شوہر کی بے راہ روی کا۔ کسی کو اپنے گوہر کے لٹ جانے کا حزن وملال ہے تو کسی کو فرقہ وارانہ فساد میں اپنے لعل کے کٹ جانے کا الم ہے۔ کوئی اپنوں کے مکروفریب سے غمزدہ ہے تو کسی کو اپنی آبرو کے کھو جانے کا حزن وملال ہے۔ مجموعے میں صرف ایک افسانہ 'مردم گزیدہ' ایسا ہے، جس سے قاری کو تھوڑا ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے کہ اِس افسانے میں دو الگ الگ مذاہب اور خاندانوں کے درمیان بے مثال محبت، بھائی چارگی، یگانگت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ یہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی لاجواب کہانی ہے۔ یہ دراصل بہار کے ایک ہندو اور کشمیر کے ایک مسلمان خاندان کے مابین باہمی محبت آمیز رشتوں کی کہانی ہے۔ یہ ایک پُر از واقعات افسانہ ہے۔ اِس افسانے کو دیگر ہندوستانی زبانوں کے رسالوں میں بھی شائع ہونا چاہئے تاکہ اِس میں پیش کیا گیا اخوت ومحبت کا سبق وطنِ عزیز کے ہر فرد کے دل میں جاگزیں ہو جائے۔ اِس افسانے سے چند خوبصورت اور بامعنی جملے ملاحظہ فرمائیں۔ ☆ "مظلوموں کے آنسو رواں نہیں رہتے تو ڈل جھیل کب کا سوکھ چکا ہوتا۔" ☆ "وادی کی ہریالی سیاہی مائل ہونے لگی تھی۔ پرندے قبل از وقت بسیرے کو لوٹ رہے تھے۔" (یہ جملہ کشمیر کے حالات پر بے مثال تبصرہ ہے)

ہمارے چند نادان سیاستدانوں اور کچھ ناسمجھ نوجوانوں کی ذہنیت نے کشمیر کے حالات کو اتنا دگرگوں، اتنا الم انگیز بنادیا ہے کہ اِس جنت ارضی کا ہر فرد ہمہ وقت خوف زدہ اور اندیشوں کا شکار رہتا ہے۔ وہاں کے افراد کی نفسیات کا بڑا اچھا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اِس افسانے میں کہ جب ڈاکٹر نے زیرِ علاج مریض کے تیماردار سے یہ کہا "گولی چلتی رہے گی۔ اب آپ جائیے۔" تو محض "گولی چلتی رہے گی۔" کے الفاظ سن کر کھلونے بیچنے والا بدحواس ہو گیا اور کھلونوں کی قیمت لیے بغیر بھاگ گیا، جب کہ وہ دوا کی گولی کا ذکر تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی بیوی، عائشہ جمال اُسے پکارتی رہیں، لیکن وہ رُکا نہیں اور بلند آواز میں بولا۔ "بہن! زندہ رہا تو پیسے لے جاؤں گا، نہ رہا تو میری طرف سے بچوں کا تحفہ۔ گھر میں جوان بہو بیٹیاں ہیں....."

پھیری والے کے اِن جملوں نے کشمیر کی موجودہ جانکاہ صورتحال کی پوری تصویر نگاہوں کے سامنے لاکر رکھ دی ہے۔

کہانی کی یہ سطور پڑھ کر سعادت حسن منٹو کا مشہور زمانہ افسانہ 'کھول دو' یاد آگیا، جس میں ڈاکٹر کے محض 'کھڑکی کھول دو' کے الفاظ سن کر فسادیوں کی ستائی ہوئی، مظلوم لڑکی نے اپنی شلوار کھول دی تھی۔ اِن 'کھول دو' کے دو الفاظ نے منٹو کی اِس کہانی کو سمجھنے کے لیے ذہن کے دریچے کھول دیے تھے۔

ڈاکٹر شاہد جمیل کے اِس افسانے میں 'گولی چلتی رہے گی' فقرہ سن کر کھلونے والے نے جس ردّعمل کا مظاہرہ کیا ہے، اُس نے کشمیر کے حالات قاری کے سامنے کھول کر رکھ دیے ہیں۔ میری نگاہ میں یہ حاصلِ مجموعہ افسانہ ہے۔

ایک اور افسانہ 'اپنے پرائے' پُراز واقعات ہے۔ اِس افسانے میں بھی پیغامِ انسانیت ہے۔ ایک مسلمان مالک کا اپنے ہندو ملازم کے تئیں پدرانہ شفقت کی دل کو چھوٗ لینے والی کہانی ہے۔ اگر ڈاکٹر شاہد جمیل کی کردار نگاری کا جائزہ لینا مقصود ہو تو اِس کہانی کے بشیر ماما کے کردار کو نگاہ میں ضرور رکھا جائے۔ اُن جیسے لوگ آج بھی زمین پر بستے ہیں، جن کی وجہ سے انسانیت زندہ ہے۔

فرقہ وارانہ فسادات گویا اب ہمارے وطن عزیز میں، ہماری تہذیب اور روزمرہ زندگی کے جزولاینفک بن گئے ہیں۔ فسادات انسانی زندگیوں میں کن کن المناکیوں سے ہمکنار کرتے ہیں، اُن کے بہت ہی دردناک مناظر افسانہ نگار نے 'دست و بازو' میں دکھائے ہیں۔

رضی حیدر، جو اپنی بیوہ ماں اور بیوی کی تمام اُمیدوں کا مرکز ہے اور جو گھر کا اکیلا کماؤ پوت ہے، عروس البلاد ممبئی میں ملازم ہے۔ جب ممبئی میں علاقائی منافرت کی بنیاد پر فساد برپا ہوتا ہے تو ظالموں نے اُس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے۔ انسانیت پر ایقان رکھنے والا ایک مقامی ڈاکٹر اُسے بغرض علاج اپنے اسپتال میں داخل کر لیتا ہے۔ فساد کی خبر سن کر گاؤں میں ماں اور بیوی طرح طرح کے اندیشوں اور فکرمندیوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ جب ایک رات رضی حیدر گھر واپس آتا ہے، تو اُس کی حالت دیکھ کر ماں اور بیوی کی آنکھوں میں اندھیرا چھا جاتا ہے، لیکن جب رات میں دونوں میاں بیوی اپنے کمرے میں ملتے ہیں تو بیوی ہی بوس وکنار کی پہل کرتے ہوئے کہتی ہے کہ اب میں دست درازی کروں گی ....آپ کا دست و بازو میری کوکھ میں پل رہا ہے۔ (یعنی آپ کے دونوں دست و بازو کٹ گئے تو کیا غم ہے) افسانے کا آخری منظر بہت دل پذیر اور حوصلہ مند ہے۔ یہ وفا شعار بیوی کی بے پناہ محبت اور قربانیوں کا نقطۂ عروج ہے۔ بہت جذبات افزوں اور پراثر افسانہ ہونے کے باوجود چند اشکالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ افسانہ 'صحرا میں بھٹکتی چڑیا' قارئین کا ذہن اپنی طرف مبذول کرتا ہے۔

ڈاکٹر شاہد جمیل کے دیگر افسانوں کے علی الرغم اِس افسانے کا نقطۂ عروج تھوڑا

چونکانے والا ہے۔ جب قاری افسانے کے آخری چند جملوں کی قرأت کرتا ہے تو رانی (اصل کردار) کی نفسیات کی آگاہی ہوتی ہے۔

☆ کتّا رانی سے لاڈ پیار کرتے کرتے اچانک راجکماری کی طرف لپکا اور اس کے مخصوص عضو کو عجیب طرح سونگھتے ہوئے ''کوں کوں.....آں'' کی آواز نکالنے لگا۔

رانی بھڑک اُٹھی۔ وہ شیرو کا کان پکڑ کے اُسے بے رحمی سے کھینچتے ہوئے بولی، ''یہ کیا؟ مردوں جیسی حرکت....''

وہ جلدی سے اُس کے پٹے میں زنجیر کا ہُک لگا کر مشکوک نگاہوں سے گھورتی ہوئی راجکماری سے بولی، ''چلو! پہلے فریش ہو لیتے ہیں....''

راجکماری نے قطع کلام کرتے ہوئے پوچھا۔ ''دیدی! تم اکیلی رہتی ہو؟''

''نہیں شیرو میرے ساتھ رہتا ہے۔''

دراصل اِس افسانے میں رانی کے ماموزاد بھائی نے سوئی ہوئی حالت میں، اُس کی آبرو تارتار کردی تھی۔ اِس جانکاہ حادثے کا اثر اُس پر اتنا گہرا ہوا کہ اُس نے اپنا گھر تیاگ کر ملازمت کے وسیلے سے دلّی کی بودوباش اختیار کرلی۔ اپنی تنہائی رفع کرنے کی غرض سے اُس نے ایک کتا پال لیا، جس سے وہ اپنی جنسی آسودگی حاصل کرتی تھی۔ گناہ کسی نے کیا اور سزا کسی اور کو مل رہی ہے۔ یہ سزا بھی خود اختیاری ہے، جو کسی طور بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ ہم اِسے ایک نفسیاتی افسانہ کے زمرے میں رکھ سکتے ہیں۔

'نجات' اور 'تہی دست' کوئی خاص تاثر نہیں دیتے۔ دونوں عام سی کہانیاں ہیں۔ لیکن معمولی کہانی کو بھی ڈاکٹر شاہد جمیل اپنے اسلوب اور ڈکشن سے غیر معمولی بنا دیتے ہیں۔ اِن دونوں افسانوں میں اُنہوں نے اپنے اُسی ہنر کا استعمال کیا ہے۔

'محبت کا صلہ' بھی قابلِ ذکر افسانہ ہے۔ اِس میں کہانی پن اپنی شدت کے ساتھ موجود ہے۔ کہانی کا انجام بہت پرسوز اور درد بھرا ہے۔ دراصل یہ افسانہ بزرگ افراد کا اپنی تہذیب، قدیم رسم وروایت سے بے پناہ اُنس رکھنے کی، اپنی اولاد واخلاف سے بے پناہ اور بے لوث محبت کرنے کی ایک متاثر کن کہانی پر مبنی ہے۔ نئی نسل اور نئی تہذیب کی پروردہ اولاد اپنے مخلص اور جان نچھاور کرنے والے اسلاف کے ساتھ کیسا رویّہ رکھتی ہے؟ اِس المیے کو افسانے کا روپ دیا گیا ہے۔

ٹائٹل افسانہ 'ابابیل کی ہجرت' بھی ایک لاجواب افسانہ ہے۔ اپنے اسلاف کی یادوں اور یادگاروں سے چمٹے رہنے والے بزرگ افراد کے جذبات واحساسات کی اور اپنی معاشرت کے رنگ ڈھنگ کے ساتھ نباہ کرنے والے نوجوان نسل کے عزائم کی متاثر کن کہانی ہے۔

'ابابیل کی ہجرت' انسانی جذبوں اور رشتوں میں شیرینی گھولنے والا افسانہ ہے۔ افسانے کے مرکزی کردار ظفر سے جب اُس کی ماں چیخ کر کہتی ہیں۔ ''نہیں چاہئے مجھے فلیٹس اور دکانیں۔ یہ حویلی ہی میرے لئے جنت نظیر ہے۔ یہاں تمہارے باپ کی یادیں اور اُن کی چہیتی اَبابیلیں ہیں۔ مجھ سے جینے کا سہارا مت چھینو تم لوگ......'' تو دل میں ایک ہوک سی اُٹھتی ہے۔ بیوی اپنے مرحوم شوہر کی یادوں کو سمیٹ کر اپنی آغوش میں رکھنا چاہتی ہے۔ وہی یادیں تو اُس کے جینے کا سہارا ہوتی ہیں۔ گرچہ مرحوم شوہر کی حویلی بیوی کے کسی کام کی نہیں، لیکن موت کے بعد شریکِ حیات سے تعلق رکھنے والی ہر چیز ساری دنیا سے پیاری ہوجاتی ہے۔ اِس افسانے میں مصنف نے بزرگ افراد کے تجربے اور مشاہدے کے توسل سے نئی نسل کی تربیت بھی کرنے کی کوشش کی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

☆ ''پوتا پوتی کو پہلو میں بٹھا کر دادی بولیں۔'' یہ واقعہ ایسا نہیں، جو پہلی بار اور صرف تمہارے ساتھ ہوا ہے۔ یتیموں کے منہ کا نوالہ چھین کر کھانے والے ہر زمانے میں رہے ہیں۔ اچھا ہی ہوا کہ پہلے قدم پر ٹھوکر لگ گئی۔ ٹھوکر کھایا انسان چوکنّا رہتا ہے۔''

☆ ''دلدل میں پھنسا آدمی قوت سے نہیں، حکمت سے نکلتا ہے۔''

مرحبا! بددیانت معاشرے پر کتنا سچا تبصرہ ہے اور کتنی حکیمانہ باتیں ہیں۔

کہانی کے اُسلوب، تھیم، پلاٹ، ٹریٹمنٹ، جملوں کی آرائش، الفاظ کے انتخاب، استعاروں کے استعمال سے افسانہ نگار کی مشّاقی کا اندازہ ہوتا ہے۔ سچ کہوں، مجھے اِن پر رشک آتا ہے۔ البتہ اُنہیں ایک مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ کہانی کو طویل بنانے کی غرض سے بیجا منظر کشی اور مکالموں سے پرہیز کیا کریں۔ اختصار افسانے کے حسن کا ضامن ہوتا ہے۔

اُن کے افسانوں میں ایک بات بہت واضح طور پر محسوس ہوتی ہے کہ ان کے کردار بار بار ماضی کی طرف پلٹ آتے ہیں۔ پس منظر یا ماضی کا بیان اُن کے تمام افسانوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ کوئی افسانہ Flash Back سے خالی نہیں ہے۔ اور بار بار پلٹ آنے کے عمل میں اُن سے یہ سہو ہوجاتا ہے کہ کبھی واحد متکلم (میں) تو کبھی واحد غائب (وہ) کا صیغہ استعمال کر بیٹھتے ہیں۔ یہ سہوان کے کئی افسانوں میں نظر آتا ہے۔

اگر ادب کمزور ہے تو زبان کا کچھ زیاں نہیں ہوتا۔ لیکن زبان میں خامی ہوئی، تو ادب اور ادیب دونوں کا وقار مجروح ہوگا۔ ☆☆☆

ڈاکٹر شریف احمد قریشی
سابق ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ اُردو
گورنمنٹ رضا پوسٹ گریجویٹ کالج، رام پور (یو پی)

علی بخش بیمآر اور دارالسرور رام پور

شیخ علی بخش بیمآر کے وطن کے بارے میں محققین اور تذکرہ نگاروں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے محض قیاس اور بعض نے تحقیق کی روشنی میں ان کے وطن کو سنبھل، بدایوں، سہسوان، آنولہ، رام پور، بریلی یا بانس بریلی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر تمام دلائل کی روشنی میں نتیجہ نکالا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بیمآر کے آباء واجداد نوابین روہیلہ کے دورِ حکومت میں سنبھل یا بدایوں سے ترکِ وطن کر کے آنولہ میں آباد ہو گئے تھے جو اُس وقت سیاسی و ادبی سرگرمیوں کا مرکز تھا جہاں 1204ھ مطابق 90-1789ء میں بیمآر کی پیدائش ہوئی۔ ان کے والد کا نام شیخ غلام علی ہے۔ سنِ شعور کو پہنچنے اور تعلیم و تربیت سے فراغت کے بعد کسب معاش کے لئے انہوں نے لکھنؤ کا رخ کیا جہاں وہ مصحفی کی صحبت میں اپنے فنِ شاعری کو بھی جلا بخشتے رہے۔

20/اگست 1849ء کو نواب سید محمد خاں ڈپٹی کلکٹر سہسوان ضلع بدایوں ریاست رام پور کے تخت پر متمکن ہوئے۔ سعادت علی خاں رئیس آنولہ کے نواب محمد سعید خاں سے خصوصی تعلقات تھے اور بیمآر کو سعادت علی خاں کی سرپرستی حاصل تھی۔ تخت نشینی کے بعد نواب صاحب کی دعوت پر حکیم سعادت علی خاں رام پور پہنچے جہاں انھیں افواج کے جنرل کے جلیل القدر عہدے پر فائض کر دیا گیا۔ سعادت علی خاں نے بوجۂ ہم وطنی اور دیرینہ تعلقات کی بنا پر علی بخش بیمآر کو دارالسرور یعنی رام پور طلب کر کے دربار میں باریاب کرایا۔ اس طرح بیمآر تقریباً 53-52 سال کی عمر میں درباری ملازمین میں داخل ہوئے۔ جہاں انہیں فارسی کی داستان بوستانِ خیال کا اُردو میں ترجمہ کرنے کی ذمّہ داری سونپی گئی۔ بعض محققین اور تذکرہ نگاروں کا خیال ہے کہ رام پور میں اس وقت اخون زادہ احمد علی خاں غفلتؔ کا دور دورہ تھا اس لئے بیمآر نے دربار میں رسائی حاصل کرنے کی غرض سے مصلحتاً ان کی شاگردی اختیار کی جو قرینِ قیاس نہیں۔ بیمآر اپنے سرپرست و محسن جنرل سعادت علی خاں کی دعوت پر رام پور پہنچے تھے اس لیے دربار میں باریابی کے لیے انہیں ان کے علاوہ کسی دوسرے وسیلے اور سہارے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ چوں کہ بیمآر کو مترجم کی حیثیت سے بوستانِ خیال کا ترجمہ کا کام تفویض ہوا تھا اور غفلتؔ کو شعر و سخن کے علاوہ داستان طرازی میں بھی زبردست ملکہ حاصل تھا۔ اس کے علاوہ وہ 1825ء میں نواب احمد علی خاں کے عہد میں ''رام اور سیتا کا قصّہ'' ترجمہ کر کے پیش کر چکے تھے لہٰذا قرینِ قیاس ہے کہ ترجمہ نگاری کی باریکیوں کو سمجھنے اور اپنی شاعری کو مزید پختگی بخشنے کے لیے انہوں نے غفلتؔ جیسے ماہرِ فنِ ترجمہ اور اُستادِ شعر و سخن کی شاگردی اختیار کرنا ضروری سمجھا ہو جس کا اعتراف بھی انہوں نے ان اشعار کے ذریعہ کیا ہے ؎

نہ اصلاحِ جناب غفلتؔ اے بیمآر گر ہوتی۔ تو معنی بھی نہ رکھتا شعر گوئی مجھ سے ناداں
جانتا ہے معجزہ بیمآر غفلتؔ کا سخن۔ کون ہے دنیا میں ایسا معتقد اُستاد کا

داستانِ بوستانِ خیال پانچ بڑے طلسمات یعنی طلسمِ اجرام و اجسام طلسمِ سبع سباع، طلسمِ بیضا، طلسمِ حکیم اشراق اور طلسمِ حیرت کدۂ آصفی پر مشتمل ہے۔ بیمآر نے اس داستان کے تیسرے طلسم یعنی طلسمِ بیضا کا منثور ترجمہ کیا ہے۔ اس کام میں انہوں نے تقریباً چودہ پندرہ سال کی مدت صرف کی۔ ترجمۂ طلسمِ بیضا کا مخطوط رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے جو پچپن جزو اور پانچ اوراق پر مشتمل ہے۔ اسے میر احمد کے علاوہ کئی کاتبوں نے خطِ نستعلیق میں متن کو سیاہ اور عنوانات کو سُرخ روشنائی سے تحریر کیا ہے۔ نسخہ کی نقل بیمآر کی وفات کے تقریباً تین ماہ بعد یازدہم شہر جمادی الثانی 1271ھ مطابق 4/مارچ 1856ء کو تمام ہوئی۔ ترجمہ طلسمِ بیضا میں بڑی حد تک عبارت آرائی، اوق، نامانوس، لفظیات و تراکیب وغیرہ سے پرہیز کیا گیا ہے۔ البتہ قدیم داستانی فضا کو قائم رکھنے کے لئے کہیں کہیں روایتی اسلوب اور مقفّٰی اور مسجّع عبارت کی جھلک بھی نظر آ جاتی ہے۔ آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل فارسی زبان کی داستان کا نہایت عام فہم، صاف، شستہ، رواں اور با محاورہ منثور ترجمہ پیش کر کے بیمآر نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ شعر و سخن کے علاوہ اعلیٰ پایہ کے نثر نگار اور مترجم بھی ہیں، ملاحظہ فرمائیے نمونۂ تحریر:

''ملک مغرب میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے سیف الدولہ نام کا ایک بادشاہ تھا۔ خزانہ اس کے شمار سے باہر، فوج لشکر سلیمان کے برابر، عدل میں نوشیرواں اس کا غلام، سخاوت سے ہر ایک آسودہ، کیا خاص کیا عام، ہر شہر اور قصبہ اور گاؤں میں عیش و نشاط کا چرچا، تمام ولایت میں رنج عنقا مگر چراغِ سلطنت کے بیٹے سے عبارت ہے، نہ رکھتا تھا''۔ (صفحہ 106)

جن استاذ الشعراء کی بدولت ریاستِ رام پور میں نہ صرف شعر و سخن کی

بنیاد پڑی بلکہ شاعری میں استادی اور شاگردی کے کئی اہم سلاسل کا آغاز ہوا۔اُن میں قائمؔ چاند پوری کے قائم کئے سلاسلِ شاعری میں شیخ علی بخش بیمارؔ کا نام نہایت اہمیت کا حامل ہے۔بیمارؔ نے اخون زادہ احمد علی خاں غفلتؔ کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔غفلتؔ کے استاد قدرت اللہ شوقؔ اور قائمؔ چاند پوری کے شاگرد حضرت شوقؔ تھے۔بیمارؔ کے شاگردوں کا حلقہ نہایت وسیع ہے جن میں سے سید محمد ذکریا شاہ نظامؔ رام پوری، منشی انور حسین تسلیمؔ اور میر احمد علی رساؔ کا شمار استاذ الشعراء میں کیا جاتا ہے۔حاتم علی خاں بے چینؔ ،حاتم علی خان تسلیم، محمد مجتبیٰ خاں مجوؔ،مبارک شاہ خاں خانزادہ،عبدالقادر واقفؔ،صاحبزادہ امیر اللہ خاں امیرؔ،سید محمد جعفر شاہ شفاؔ،سید جعفر شاہ واثقؔ ،مہدی علی خاں مہدیؔ وغیرہ اپنے دور کے ممتاز او رصفِ اول کے شعراء میں شمار کیے جاتے تھے۔

شیخ علی بخش بیمارؔ کے دیوان کا ایک نامکمل قلمی نسخہ رام پور رضا لائبریری میں محفوظ ہے جس میں مکمل اور نامکمل ۲۷۴رغزلوں کے علاوہ ایک ناتمام قصیدہ، ایک رباعی،ایک قطعہ اور دو تضمین بہ ہئیتِ خمسہ شامل ہیں۔بیشتر صفحات پر کسی غزل کا مطلع یادو ایک شعر تحریر کر کے باقی صفحہ کو خالی چھوڑ دیا گیا ہے۔بعض صفحات پر صرف مقطع ہی تحریر ہے۔اس کے باوجود دیوان کو بہ اعتبارِ حروفِ تہجی ردیف وار سلیقہ سے ترتیب دیا گیا ہے۔بیشتر محققین وتذکرہ نگار متفق ہیں کہ بیمارؔ کے کلام کا ایک بڑا حصہ تلف ہوگیا ہے۔میرا خیال ہے طلسمِ بیضا کے اردو ترجمہ میں چودہ پندرہ سال منہمک رہنے کی وجہ سے بیمارؔ نے اصلاحِ سخن کے علاوہ شعروسخن کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی اور اپنے کہے ہوئے سابقہ کلام سے بھی بے اعتنائی برتی جس کے سبب کلام کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو گیا۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے موجودہ دیوان کو اپنی یاد داشت کے سہارے مرتب کرایا ہوگا اور اس اُمید پر بیشتر غزلوں کے مطلعے،مطلعے یا چند اشعار تحریر کرانے کے بعد باقی صفحات کو سادہ رہنے دیا ہوگا کہ یاد آنے پر باقی اشعار تحریر کرادیے جائیں گے مگر وائے نصیب نہ یادداشت ہی نے وفا کی ہوگی اور نہ یہ خواب ہی شرمندہ تعبیر ہوا ہوگا۔یا پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بیمارؔ کی بیاض تو مکمل ہوگئی جس سے کسی کاتب نے نقل کر کے دیوانِ بیمارؔ تیار کیا ہو اور وہ جن اشعار کو پڑھنے سے قاصر رہا ہو اس جگہ کو اس خیال سے خالی چھوڑتا چلا گیا ہو کہ بعد میں کسی سے پڑھوا کر اشعار تحریر کر کے اس جگہ کو پُر کر دیا جائے گا مگر بعد میں ایسا نہ ہوسکا اور دیوانِ بیمارؔ نامکمل ہی رہا۔اس لیے جب تک بیمارؔ کی بیاض دستیاب نہیں ہوجاتی اُن کا دیوان نامکمل ہی رہے گا۔

اگر چہ بیمارؔ کا تمام کلام دستیاب نہیں پھر بھی نامکمل دیوان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے مختلف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے مگر وہ بنیادی طور پر غزل ہی کے شاعر ہیں۔ان کے کلام میں لکھنویت کے ساتھ دہلویت کی آمیزش نظر آتی ہے مگر اپنے تشخص ،اپنی انفرادیت،اپنے کمال اور اپنی صلاحیتوں کو برقرار رکھتے ہوئے۔وہ کسی کے مقلد یا پیرو نہیں۔انہوں نے جس لب ولہجہ، اندازِ سخن، تراکیب اور رنگ وآہنگ میں غزلیں کہی ہیں اس کے اثرات ان کے عہد ہی میں نظر آنے لگتے تھے جو آگے چل کر رام پور کی پہچان بنتے چلے گئے۔چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

روحِ بلبل کر گئی پرواز آتے ہی خزاں۔کچھ ہوا میں اُڑتے ہیں کچھ مل گئے پر خاک میں

سانس آہستہ لیجیو بیمارؔ۔ٹوٹ جائے نہ آبلہ دل کا

اللہ رے اضطراب اسیرانِ دام کا۔صیّاد جورِ پیشہ کے دل کو ہلا دیا

شرارِ آہ وسوزِ نالہ ودودِ دل وگریہ۔سماں دکھلا رہا ہے برق ورعد وابروباراں کا

سامنے یار کے بولا نہ گیا۔ہر گھڑی بات بناتے گزری

بیمارؔ اہلِ دل کی ہے سر چوٹ سرکشی۔ٹکرا کے سر کو کھایئے اُس سنگ در کی چوٹ

چشمِ جاناں پر گماں گزرا مجھے دوصاد کا۔قامتِ موزوں ہے مصرع کسی استاد کا

بہرحال رام پور رضا لائبریری میں مخزون ترجمہ طلسمِ بیضا ،نامکمل دیوان اور شاگردانِ بیمارؔ کے ادبی کارناموں کی روشنی میں بیمارؔ کی ادبی خدمت و حیثیت کو بڑی حد تک متعین کیا جاسکتا ہے۔☆☆☆

(ضبطِ تحریر کا بقیہ)

بحروں کی اچانک تبدیلیاں بڑا مزہ دیتی ہیں جیسے کوئی دریا مختلف ارضیوں سے مختلف ڈھنگ سے گزر رہا ہے۔'' ماہرِ عالم صوتیات ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ''املانامہ'' کی تحریر جاگتے ذہنوں کی احساس وشعور کو بیدار کرتی ہے۔اس سے پتا چلتا ہے کہ علیم صبا نویدی کا ذہن مختلف النوع جہات کی عکاس ہے کبھی وہ کاوش بدری کی فکری سلطنت پر حملہ کرتے ہیں تو کبھی خلیل مامون کی نثری نظموں پر دستخط کرتے ہیں ،کبھی شہابِ سخن سے پروفیسر سید طلحہٰ رضوی برق کی رباعی گوئی کا منظر منظرِ عام پر لاتے ہیں۔اس کتاب میں کل پچپن مضامین شامل ہیں جو مختلف النوع موضوعات پر مشتمل ہیں۔ایک اور بات عرض کرتا چلوں کہ موصوف کُل بیاسی کتابوں کے مصنف وترتیب کار ہیں ان کے چھہتر 76 کتابیں آپ گوگل سرچ آن لائن کے ذریعے مطالعہ کر سکتے ہیں۔اس کے لئے آپ کو صرف گوگل سرچ میں انگریزی میں علیم صبا نویدی ٹائپ کرنا ہوگا۔جہاں تک میرا خیال ہے کہ ہر کتاب آن لائن ہونا لازمی ہے جس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ ہر کوئی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور دوسرا اہم فائدہ یہ ہے کہ مارفنگ کے ذریعے سرقہ کی فیصد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

الغرض ہر مضمون ایک نیا زاویہ فکر لئے اپنے آپ میں بے مثال اور ایک شہکار ہے جس کے مطالعہ سے ہر ادیب، دبستانِ فکر وادب کی وسیع وعریض آفاقیت کا سیر کرآتا ہے اور اپنے علم وادراک کی وسعتوں کو معتبر کر دیتا ہے۔

☆☆☆

ڈاکٹرسیداسرارالحق سبیلی
اسسٹنٹ پروفیسرو صدرشعبۂ اردو
گورنمنٹ ڈگری اینڈ پی جی کالج سدّی پیٹ
ریاست تلنگانہ ۔۵۰۲۱۰۳

سلیم انصاری کے مطالعہ کا سفر

سلیم انصاری (پ:۱۹۶۲) کا تعلق ۱۹۸۰ء کے مابعد جدید ادبی نسل سے ہے۔وہ بنیادی طور پر غزل اور نظم کے شاعر ہیں اور شاعر کی حیثیت سے ہی اپنی شناخت رکھنا چاہتے ہیں،لیکن ان کا خیال ہے کہ ہر ادبی نسل کو اپنا ناقد خود پیدا کرنا چاہیئے،اس لئے انہوں نے اپنی ادبی نسل کی تخلیقی سمت و رفتار کے مطالعے کا سفر بھی ساتھ ساتھ جاری رکھا ہے اور اپنے مطالعے کو رسائل وجرائد کی زینت بھی بخشتے ہیں۔ان کی کتاب: مطالعے کا سفر ایسے ہی مضامین کا انتخاب ہے۔

کتاب کا عنوان بڑا دلچسپ اور سبق آموز ہے،ایک طالب علم،معلم،ادیب،نقاد،محقق اور شاعر کے لئے مطالعہ ہی سب کچھ ہے۔مطالعہ کے بغیر وہ ادھورا ہے، بلکہ ڈاکٹر گیان چند جین کے مطابق وہ مردہ ہے۔کتاب کے عنوان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مطالعہ سلیم انصاری کی دلچسپی،زندگی اور کمزوری بھی ہے۔کاش یہ کمزوری اسمارٹ فون کی جگہ لے لے تو اب بھی ہم راہِ راست پر آکر علم وادب میں ہو رہے خلا کو پر کر سکتے ہیں۔

''مطالعے کا سفر''میں کل ۲۷ مضامین شامل ہیں،جن میں بیشتر مضامین کا تعلق مابعد جدید نسل کے نمایاں شاعروں سے ہے،جیسے غضنفر،خالد جمال،کبیر اجمل،عطا عابدی،شہناز نبی،جاوید ندیم اور ظفر گورکھپوری وغیرہ،نیز مابعد جدید نظم اور شاعری سے متعلق دو مضامین شامل ہیں۔ان کے علاوہ آفاقی شاعر غالب و اقبال اور پیش رو نسل کے شاعر ستیہ پال آنند (لہو بولتا ہے)،اور کرشن کمار طور (خاک خمیر) کی شاعری پر عقیدتمندانہ اظہارِ خیال کیا گیا ہے،نئ صدی کے اہم ناول نگار نورالحسنین،شموئل احمد اور مشرف عالم ذوقی کے ناولوں بالترتیب''ایوانوں کے خوابیدہ چراغ''،''گرداب''اور''لے سانس بھی آہستہ''پر تاثرات اور تنقیدی اظہار کیا گیا ہے۔علاوہ ازیں''دکن کی پیش رو غزلیں''(اسلم مرزا)،''میخانۂ اردو کا پیرِ مغاں۔نارنگ ساقی''(نذیر فتح پوری)اور حیدر قریشی کے افسانوں اور رتن سنگھ کے افسانچوں (مانک موتی) پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس طرح سلیم انصاری کے مطالعے کے سفر میں قدیم وجدید کا حسین امتزاج اور عصر حاضر کی مروجہ اصناف کا متوازن ودلچسپ جائزہ ومباحثہ شامل ہے، جس کے مطالعہ کے بعد قلب ونگاہ کو مسرت وبصیرت اور شعور وآگہی کے نئے چراغ روشن ہوتے ہیں اور اظہار وبیان کے نئے نئے اسالیب وانداز،تفہیم وترسیل کے نئے نئے زاویے اور تنقید وتمیز کے نئے نئے گوشے سامنے آتے ہیں۔

سلیم انصاری نے اپنے مضمون کی ابتدا''اقبال کی شاعری میں ہندوستانی تہذیب کے عناصر''سے کی ہے۔اس میں انہوں نے واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ یوروپ میں قیام کے دوران مسلسل غور وفکر اور تہذیبوں کے تقابلی مطالعہ کے زیرِ اثر اقبال اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہندوستان میں صدیوں پرانی تہذیبی روایتوں اور وراثتوں کے علاوہ اصلاحی افکار ونظریات کے revival کی ضرورت ناگزیر ہے،چنانچہ یوروپ سے واپسی کے بعد رام اور نانک جیسی شہرۂ آفاق جیسی نظمیں لکھ کر ہندوستانی تہذیب وثقافت کی عظیم روایتوں اور وراثتوں سے اپنی وابستگی کو اور بھی واضح کر دیا۔ان کو احساس ہے کہ ہندوستان کے صوفیوں،سنتوں اور فقیروں نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ قومی یکجہتی،بھائی چارگی اور امن ومحبت کا پیغام دیا ہے جو سرحدوں کے حصار سے نکل کر مغرب میں فیض کا سرچشمہ بنی ہوئی ہے،جس کی آج ہندوستانیوں کو سخت ضرورت ہے۔

''غالب کی شاعری میں امیجری کی تلاش''سلیم انصاری کا دوسرا مضمون ہے،امیجری دراصل ایسی اصطلاح ہے جو انگریزی ادب کی تنقیدی تحریروں میں کثرت سے مستعمل ہے،اس کے لغوی معنیٰ لفظوں کی مدد سے تصویر بنانے اور پیکر سازی کا عمل ہے۔سلیم انصاری کے مطابق غالب ایک کامیاب مصورِ جذبات ہیں،انہوں نے محبوب کی بے وفائی،ہجر ووصال،امید وناامیدی اور زندگی کے دیگر مسائل کے اظہار کے لئے غیر شعوری طور پر امیجری کی کئی اقسام کا استعمال کیا ہے جس میں سادہ امیج،مجرد امیج اور منتشر امیج وغیرہ اہم ہیں۔(صفحہ۱۹تا۲۲)

تیسرا مضمون''ستیہ پال آنند کا تخلیقی شعور اور عالمی عصری آگہی''(لہو بولتا ہے کی روشنی میں)ہے۔سلیم انصاری کو یہ اعتراف کرنے میں کوئی تکلف نہیں کہ عالمی سطح پر اردو نظموں کو متعارف کرانے میں ستیہ پال آنند کی کوششوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا،سلیم انصاری کا مطالعہ،دقتِ نظر،تجزیہ،استحسانِ ادب،تنقیدی شعور اور حسنِ انتقاد کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

''ستیہ پال آنند کی نظموں کے سنجیدہ مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ان کے یہاں نظموں کی تخلیقی فضا میں ایک طرح کا کھلا پن ہے،ان کے ڈکشن میں نظموں کے مرکزی خیال کو مختلف جہتوں میں روشن کرنے کی صلاحیت

ہے،اوران کی سوچ کی زیریں لہروں میں نظم کے ساتھ ساتھ سفر کرنے کی ہنرمندی موجود ہے۔ان کے یہاں جدید اردو نظموں میں مسلسل استعمال ہونے والے لفظ ہر بارنئی معنویت خلق کرنے پر قادر ہیں۔'' (صفحہ۲۴)

جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا کہ مصنف نے مابعد جدیدیت پر دو مضامین شامل کئے ہیں،یہ دونوں مضامین مابعد جدیدیت کی افہام وتفہیم ،افادیت اوراس کی وسعت کوسمجھنے میں بہت مدد ومعاون ہیں ۔ترقی پسندی سے انحراف کے نتیجے میں جدیدیت کے علم برداروں کوکھلی فضا کا احساس ہوا،موضوعات، فارم اور اسلوب کی سطح پر نئے تجربات کے مواقع میسر آئے ،مگر جدیدیت نے بھی رفتہ رفتہ وجودیت اوراجنبیت کے منشور کوغیر شعوری طور پر لاگوکرنا شروع کردیا،جس کے نتیجے میں ذات کے خول میں بند مایوسی، تنہائی ،داخلی انتشاراور قنوطیت کے شکار جدیدیت گزیدہ تخلیق کاروں کا رشتہ نہ صرف اپنے عہد کے سیاسی ،سماجی،اورتہذیبی شعوروآگہی سے کٹ گیااوراس نام نہاد فیشن پرست جدیدیت سے بیزار ہوکرادب کاسنجیدہ قاری بھی کنارہ کش ہوگیا،یہیں سے جدیدیت کا زوال اور مابعد جدیدیت کا آغاز ہوا۔(صفحہ۳۰۔۳۱)

۱۹۸۰ء کے بعد کی نئی نسل کے بیشتر شعراء کے یہاں مابعد جدیدیت ایک غالب رجحان کی شکل میں نمو پذیر ہوئی،اوراس نئی نسل کی اپنی علاحدہ اور آزاد عصری فکر وشعور کے زاویے سامنے آئے ۔اس نسل نے سائبر،کمپیوٹر اورانٹرنیٹ عہد کے مسائل ومصائب کواپنے طور پر سمجھنے کی کوشش کی ہے،تاہم سلیم انصاری کو اعتراف ہے کہ مابعد جدیدیت کے نظم نگارشاعروں نے عصری تقاضوں کوکماحقہ پورا کرنے میں یقیناً کوتاہی برتی ہے۔

مصنف نے اس بات پراطمینان کا اظہار کیا ہے کہ۱۹۸۰ء کے بعد ادبی افق پرنمایاں ہونے والی نسل کے یہاں نہ تو اپنی پیش رونسل کی فکر کا عکس ہے اور نہ ہی کسی نظریاتی وابستگی کا احساس ہوتا ہے، بلکہ کھلے ذہن اور وسیع تناظر میں مشاہدات اورمحسوسات کی ایک نئی تخلیقی ،سچائی کا احساس اورعصری مسائل ومصائب کا آزادانہ اور فطری اظہار ہوتا ہے۔سلیم انصاری نے مابعد جدید نظموں کے تخلیقی حوالوں سے ۱۹۸۰ء کے بعد کے چند شعراء کے نام درج کئے ہیں ،جیسے عالم خورشید،خورشید اکبر ،خورشید طلب،اکرام خاور،کوثر مظہری ،جمال اویسی،غضنفر،جینت پرمار، ریاض لطیف،ابراہیم اشک، ساجد حمید،شاہد کلیم ،شبنم عشائی،شاہد جمیل ،عنبر بہرائچی ،نعمان شوق،شیخ خالد کرار،معراج رعنا، راشد انور راشد،راشد جمال فاروقی ،سہیل اختر،عذرا پروین،ترنم ریاض،عطا عابدی،مشتاق صدف،خالدعبادی،امیرحمزہ ثاقب،شارق کیفی اورعطاءالرحمٰن وغیرہ۔مصنف نے مضمون کے آخر میں اس بات کی ضرورت پر زور دیا ہے کہ نئی نسل کے ان تخلیق کاروں کی نگارشات کاایمانداری سے تجزیہ کیا جائے اورایوانِ ادب میں گونجتی ان پر امید آوازوں کو شناخت کے عمل سے گزارا جائے ، انہوں نے پیش رونسل کے ناقدینِ ادب سے مطالبہ کیا ہے کہ چشم پوشی کے بجائے اس نسل کی تخلیقی صلاحیتوں کا غیر جانبدارانہ اور پرخلوص جائزہ لیا جائے،تاکہ ان کے شعری سرمایے کی قدرو قیمت کاتعین کیا جاسکے۔،،(صفحہ۳۸۔۴۸)

سلیم انصاری نے کرشن کمارطور کے تازہ ترین مجموعے'' خاک خمیر'' کا اچھا تجزیاتی اورتنقیدی مطالعہ پیش کیا ہے کہ ان کی فکر کا کینوس بے حد وسیع ہے،ان کی شاعری میں اسلوب اوراظہار کی سطح پراگرچہ کلاسیکی رچاؤ ہے ،مگر لہجے کی تازہ کاری ،منفرد ڈکشن اورانوکھی تراکیب کے علاوہ طرزِ اظہار کی شگفتگی اوراسلوب کی ندرت نے ان کی عشقیہ شاعری کو نئے رنگ وآہنگ سے ہم کنار کیا ہے۔ان کی انفرادیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنامخصوص ڈکشن خودوضع کیا ہےاوریہی ڈکشن ان کی تخلیقی شناخت کامعتبر حوالہ ہے۔(صفحہ۴۹۔۵۰)

شموئل احمد کے ناول'' گرداب''ان کے دوسرے ناولوں کی طرح مرد و عورت کے درمیان نامعلوم جنسی رشتوں کی ضرورت اوراس کی نفسیات پرمبنی ہے ،جوجسم سے شروع ہوکر ذہن وروح تک اپنی تمام تر پیچیدگیوں اورالجھنوں کے ساتھ پھیلتا چلا جاتا ہے۔

آج کی تیز رفتار مشینی زندگی میں افسانچے جیسے مختصر ترین فن پاروں کا تخلیقی جوازاوراس کی اہمیت وافادیت سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔مشہور ترقی پسند افسانہ نگاررتن سنگھ کا'' مانک موتی''ان کے ایک سوافسانچوں پر مشتمل ہے، جسے افسانچوں کے سفر میں ایک سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔مجموعی طور پر رتن سنگھ کے افسانچے زندگی کے وسیع تر کینوس پر پینٹ کی گئی ایسی تصویریں ہیں جن میں اپنے احساس وادراک کی آنکھوں سے معاشرے کی موجودہ سیاسی اورسماجی صورتِ حال کاعکس بھی دیکھ سکتے ہیں۔

مشرف عالم ذوقی نے بے شمار افسانوں کے علاوہ کئی عمدہ ناول بھی تحریر کئے ہیں،جن کے موضوعات موجودہ عہد کی سیاسی اورسماجی بصیرت کے آئینہ دار ہیں ۔ان کا ناول'' لے سانس بھی آہستہ'' کا مرکزی خیال بھی ان کے عصری ،سماجی اورسیاسی شعوروآگہی کا آئینہ دار ہے ۔اس ناول میں ہندوستان کی آزادی کے بعد پیدا ہونے والی صورتِ حال اورتہذیبوں کے تصادم اورنسلوں کے ٹکراؤ اوراخلاقیات سے انحراف کونہایت عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ذوقی کے مطابق یہ ناول تہذیب کا مرثیہ نہیں بلکہ گلوبل سماج کی بدلتی ہوئی تصویر کا آئینہ ہے،سلیم انصاری کے مطابق'' اس ناول کا شمار ایک کامیاب ناول کے طور پر کیا جائے گا کیونکہ اس میں کہانی کا سفر بیک وقت کئی سطحوں اورمتعدد دشاؤں میں ہوتا ہے،اور خاص بات یہ ہے کہ کہانی کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کی تہذیبی، سیاسی اورسماجی تاریخ بھی رقم کرتے چلے جاتے ہیں۔(صفحہ۷۷۔۸۴)

سلیم انصاری نے''وحشی سعید کے افسانوں میں زندگی کی تلاش'' ان کے افسانوی مجموعہ'' سڑک جارہی ہے'' کے حوالے سے کی ہے ،جس میں ۳۰ افسانے ہیں ،انصاری صاحب کے بقول: یہ افسانے عام قاری سے رشتہ استوار کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں اورافسانہ نگار کی تخلیقی توانائی اوراسلوب کی

انفرادیت کے مظہر ہیں۔

''حیدر قریشی کے افسانوں کی حقیقت'' کا اظہار سلیم انصاری نے ،،روشنی کی بشارت،، کے حوالے سے کیا ہے، حیدر قریشی کے یہاں روشنی ایک کلیدی استعارہ ہے جو ان کی کہانیوں کو تہ در تہ معنویت سے ہم کنار کرتا ہے، یہ روشنی جب باطن سے منعکس ہوتی ہے تو درویشوں، قلندروں اور صوفیوں کے قلوب کو منور اور معطر کرتی ہے اور انسانوں کو تاریکیوں سے نکال کر ایمان افروز روحانی عقیدوں اور جذبوں کے روشن جہانوں میں لے جاتی ہے۔ غرض حیدر قریشی ایک ایسے افسانہ نگار ہیں جن کے یہاں موضوعات کا تنوع اور اسلوب کی رنگا رنگی دونوں موجود ہیں جو ان کی کہانیوں کو معانی و مفاہیم کے نئے ذائقوں سے روشناس کراتے ہیں۔

''دکن کی پیش رو غزلیں۔ ایک مختصر جائزہ'' میں سلیم انصاری نے اسلم مرزا کی تازہ ترین تحقیقی کتاب ''دکن کی پیش رو غزلیں'' کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے ،اس کتاب میں کثیر الجہت قلم کار، محقق، نقاد، شاعر اور مترجم اسلم مرزا نے دکنی اردو کے ایک سو سترہ نمائندہ اور اہم شعراء کا اجمالی تعارف مع نمونۂ کلام مستند اور معتبر حوالوں کے ساتھ رقم کیا ہے۔ انہوں نے اپنی تحقیق کا دائرہ گول کنڈہ اور بیجا پور کے علاوہ آصف جاہی عہد کے دکنی شعراء تک پھیلا دیا ہے، جس کے سبب اس کی اہمیت وافادیت کا کینوس وسیع ہو گیا ہے۔ کتاب میں شامل شعراء کا کلام پڑھنے سے دکنی اردو میں لسانی سطح پر بتدریج ہونے والی تبدیلیوں اور سمت و رفتار کا اندازہ ہوتا ہے ۔اس کتاب میں شامل غزلیں ہماری تہذیبی اور تاریخی وراثت کا ناقابلِ فراموش حصہ ہیں۔ (صفحہ ۱۰۰۔۱۰۳)

''میخانۂ اردو کا پیرِ مغاں'' نذیر فتح پوری کی ایسی کتاب ہے، جو کے ۔ایل نارنگ ساقی کی ذات، اردو سے ان کی بے لوث و بے پناہ محبت، ادبی بزم آرائیوں اور اردو کی تہذیبی، ثقافتی اور ادبی صورتِ حال کا عصری منظر نامہ پیش کرتی ہے ۔اس کتاب کے مطالعہ سے نارنگ ساقی کی شخصیت کے کئی پہلو اجاگر ہوتے ہیں، ان کی مہمان نوازی، خلوص، اخلاق، بھائی چارگی اور انسان دوستی سرحدوں کی قید و بند سے آزاد ہیں۔ پاکستان سے آنے والے شعراء اور ادباء ہی نہیں بلکہ دیگر پاکستانی بھی ان کی مہمان نوازی سے یکساں طور پر فیض یاب ہوتے ہیں۔ وہ اپنی مہمان نوازی کے دوران پورے ہندوستان کی ادبی، تہذیبی اور ثقافتی قدروں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ نذیر فتح پوری نے نارنگ ساقی صاحب کی تالیف کردہ کتب ''ادیبوں کے لطیفے '' اور ،، خوش کلامیاں قلم کاروں کی'' کے حوالے سے ان کی محبت، خلوص اور ظرافت پر بھر پور روشنی ڈالی ہے۔

غضنفر ایک کامیاب ناول نگار اور افسانہ نویس کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں، لیکن جب مصنف کو ان کی شاعری کا مجموعہ ''آنکھ میں لکنت'' موصول ہوا تو وہ ایک خوشگوار حیرت سے دو چار ہوئے، غضنفر کی شاعری براہِ راست زندگی کے مسائل و مصائب سے مکالمہ کرتی نظر آتی ہے، سلیم انصاری کے مطابق غضنفر کی شاعری میں ایک ایسے انسان کا تصور ہے جو مثالی نہیں بلکہ اپنے مسائل و مصائب سے نبرد آزما، زندگی سے برسرِ پیکار، اپنی ضرورتوں کے حصول میں ناکام ہو کر ذہنی انتشار کا شکار، گھر، دفتر اور سڑکوں پر بکھرا ہوا ایسا انسان ہے جسے بیک وقت اپنی معاشرتی اور انفرادی ذمہ داریوں کا احساس ہے ،یہی نہیں بکھرتی ٹوٹتی تہذیبی قدروں کے درمیان زندگی کرتا ہوا ایک ایسا فرد غضنفر کی شاعری میں نظر آتا ہے جو جہدِ مسلسل کی ایماندارانہ کوشش کرتا ہے۔

دفتر میں ذہن، گھر میں نگہ، راستے میں پاؤں۔ جینے کی کوششوں میں بدن ہاتھ سے گیا

☆☆☆

(علامہ کاروباری کا روزہ کا بقیہ)

کا انتخاب کر کے قیمت دریافت کی نوجوان سیلز مین نے قیمت بتائی تو علامہ بارود کی طرح پھٹ پڑے۔ نام ہول سیل کلاتھ سنٹر اور دام خدا کی پناہ توبہ توبہ تھو تھو! یہ کپڑے کی دکان ہے یا ٹھگوں کا اڈہ'' باہر نکلتے ہوئے بولے''۔ چلو وقار! یہاں تو اندھیر نگری ہے مجھ جیسے روزہ دار کی جیب کاٹنے میں بھی لوگ عار نہیں سمجھیں گے۔ اس طرح علامہ آٹھ دس دکانوں میں جاتے رہے اور سیلز مینوں اور دکان مالکوں سے اُلجھ کر ہاتھا پائی کی نوبت بھی لاتے رہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ علامہ جس دکان میں بھی داخل ہونا چاہا اس دکان کا مالک دروازے پر آ کر معذرت طلب کرنے لگا کہ آپ کی پسند کے کپڑے ہماری دکان میں نہیں ہیں۔ آخر علامہ نے فٹ پات پر لگی کپڑے کی دکان سے کپڑے خرید لیے واپس مکان پہنچے ابھی دروازے میں داخل ہی ہوئے تھے کہ علامہ کے تین پوتے دادا جان آ گئے دادا جان کپڑے لے آئے'' کہتے ہوئے علامہ سے لپٹ گئے۔ علامہ کا دماغ غصے کی شدت سے گرم ہو گیا تھا۔ بچوں کے گالوں پر تھپڑ مار کر بولے گھر میں قدم بھی رکھنے نہیں دیتے بدتمیز بچے دادی جان نے لاڈ پیار کر کے بچوں کو دو کوڑی کا بنا دیا ہے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی علامہ نے بیگم کو آواز لگائی اری و زہرہ افطار کے لیے کھجور لیمبو اور برف منگایا کی نہیں۔ زہرہ بی کو اپنے شوہر کی پکارنے کا انداز ہ ناگوار گذرا بولیں اجی دن بھر کہاں مر گئے تھے کھجور لیمبو اور برف لانے کیا گھر کی خواتین بازار چلی جاتیں۔ علامہ کو اپنی بیوی کی زبان درازی پسند نہ آئی چپل اٹھا کر بیوی پر پھینک مارا اور بولے'' تیری زبان بہت تیز چلنے لگی ہے ذرا افطار تو ہونے دے طلاق دے دوں گا۔'' زہرہ بی نے بھی تابڑ توڑ جواب داغا طلاق ہی دینا تھا تو اتنے برس کیوں انتظار کیا پہلے ہی طلاق دے دیتے تو ملک کی آبادی میں ہم دونوں اس قدر اضافہ تو نہ کرتے اتنا سنا تھا کہ علامہ کا غصہ عروج پر پہنچ گیا سامنے پانی سے بھری ہوئی بالٹی تھی۔ علامہ نے بالٹی کو ایک لات ماری پانی فرش پر بہہ گیا تو خالی بالٹی اٹھا کر بیوی کے سر پر مارنے ہی والے تھے کہ لڑکھڑا کر ایسا بے سدھ ہو کر گر پڑے کہ افطار کے وقت منہ میں پانی ڈالنے کے بعد ہی انہیں ہوش آیا۔ علامہ کو ہوش آتے ہی بچے خوشی سے تالیاں بجانے لگے کہ دادا جان زندہ ہو گئے دادا جان زندہ ہو گئے۔ اڑوس پڑوس کی خواتین گھبرا کر بھاگ گئیں!!! ☆☆☆

پی۔امام قاسم ساقیؔ
D.No:39/107/128/3A.
S.N.Colony(West)
Rayachoti.516269
Dist:Kadapa(A.P)

ضبطِ تحریر: علیم صبا نویدی کی فکری اڑان

کائناتِ فکر وفن کا استعارہ، فلک پر چمکتا ہوا ایک ادبی ستارہ جس کے آگے الفاظ کی لہریں ہمیشہ ساحلِ ادب سے ٹکراتی ہیں جن کا مقصد حیات صرف اور صرف ادب کی خدمت ہے، وہ اپنے آپ میں ایک ادارہ ہے، جس کے آگے سارے کتبِ لمسِ صبا کی خواہش لئے بکھر جاتی ہیں، جس پر ارضِ دکن کو ناز ہے وہ ادب نواز شخصیت کا مالک علیم صبا نویدی ہے، جن کی ایک کتاب ''میرا مطالعہ'' میرے مطالعہ سے گزری، قلم نے یہ جرأت کرنے کی کوشش نہیں کہ اتنے بڑے ادیب و بابائے اردو ٹمل ناڈو کی تحریروں پر خامہ فرسائی کروں مگر موصوف نے مجھ سے فون پر گفتگو کے دوران یہ مطالبہ کیا کہ میں بھی کچھ لکھوں تب جا کے میرے رشحاتِ قلم سے چند خیالات صفِ قرطاس پر بکھر گئے۔

''میرا مطالعہ'' ایک ایسی کتاب ہے جس میں پچپن ماہرین قلم کے سرمایے کی توسیع وتعریض کی گئی ہے، بلکہ یہ کہا جایے تو غلط نہ ہوگا کہ یہ ایک ادبی آبِ حیات ہے جو ئی قلم کار کو زندہ رکھے گی اور اس کے مطالعہ سے ادبی سرمائے میں اضافہ ہوگا۔

اس لبِ لباب کا خلاصہ ''شناخت نامہ'' سے شروع ہوتا ہے، جس میں پروفیسر عابد صفی نے ببانگ دہل یہ اعلان کیا ہے کہ تاریخ ادب میں علیم صبا نویدی کی مثال نہیں ملتی۔ ان کے تعلق سے یہ کہوں تو مبالغہ آرائی نہیں ہوگی کہ موصوف کی فنی صلاحیتیں گو وہ نثر ہو کہ شاعری ادبی تاریخ ہو کہ بحرِ اختراعات و ایجادات، ہر تحریر میں علیم صبا نویدی کی مہارت سر چڑھ کر بولتی ہے اور ان کی ادبی مملکت کی وسعتیں ہر صاحبِ خرد کو تحیر وتحیر میں ڈال دیتی ہیں۔ ڈاکٹر پی۔ احمد پاشاہ نے ''علیم صبا نویدی کی ادبی مملکت'' کے عنوان سے علیم صبا نویدی کی وسیع النظری اور ہمہ جہت فنکارانہ بصیرت کا یہ ثبوت پیش کیا ہے کہ ''علیم صبا نویدی کا ادبی سفر نثر سے شروع ہوتا ہے اور نظم کے وسیع میدان سے ہوتے ہوئے نثری بلند و بالا چوٹیوں پر آخر کار اپنا پرچم لہراتا نظر آتا ہے''۔

''میرا مطالعہ'' کے ابتدائی چھ مضامین میں موصوف نے نعت گوئی کی خصوصیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دانش فرازی، سید وحید اشرف، مختار بدری، علقمہ شبلی، حیرت الہ آبادی، صبیح رحمانی کی تخلیق کردہ نعتوں کی فنی ولسانی باریکیوں کی طرف اشارہ کرکے ان کی تخلیقی خصوصیات کو بیان کیا ہے۔ دانش فرازی کی ایک نعتیہ نظم ''محسنِ اعظم''، پر موصوف نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے

''محسنِ اعظم حضرت دانش فرازی، مرحوم کی ایک مختصر جامع نظم ہے۔ جو نبی اکرم صل اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہی کا احاطہ نہیں کرتی بلکہ آپؐ کی بعثت سے پہلے کے واقعات، خواب وتعبیر خلیل اللہ، عرب دنیا کی جہالت کفر والحاد اور گمراہیوں کا تذکرہ ہے۔ حضرت دانش نے حضور اکرمؐ کی پیدائش، بچپن اور جوانی کا احاطہ بڑے خوب صورت انداز سے کیا ہے۔ آپ کی نظم تین شعروں پر مبنی بندوں کی شکل میں ہے۔ جو مسدس سے قریب ہے۔ اسے مسدس اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ ہر بند کا پہلا مصرعہ قافیہ بردار نہیں۔ ہر بند تین شعروں پر مشتمل ہے۔''

مندرجہ بالا اقتباس موصوف کی ہمہ جہت فنکارانہ صلاحیت کے ساتھ ان کے تجزیاتی مطالعہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سید وحید اشرف کا نعتیہ مجموعہ ''تجلیات''، پر بحث کرتے ہوئے ان کی نعتیہ شاعری میں فنی ولسانی باریکیوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ہے کہ اشرف صاحب کے نعتیہ اشعار سہل ممتنع ہونے کے ساتھ پر مغز ومعنی خیز ہونے کی وجہ سے شاعر کا رجحان قاری وسامع کو سمجھ میں آجاتا ہے۔ ایک اور مضمون ''مختار بدری کی نعت گوئی'' میں نعت گو شعراء کا احاطہ کرتے ہوئے مختار بدری کی نعتیہ شاعری کے مختلف النوع مضامین سے ذہن وفکر کو روح کو خوشبوؤں سے معطر کر دیا ہے۔ علقمہ کی نعت گوئی کا جائزہ پیش کرتے ہوئے موصوف نے علقمہ کی نعتیہ شاعری میں عروضی وفنی باریکیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس مضمون کے ذریعے موصوف کی فنی بصارت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ حیرت الہ آبادی اور صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری میں ہئیتی نظام اور اس کی فنی خصوصیات کو ضبطِ قلم کیا ہے۔

بعدازیں جوش ملیح آبادی کی شاعری میں رومانی سرمستی کے عنوان سے ان کی فکری رومانیت اور لفظی صداقت کے امتزاج کا جائزہ لیا ہے۔ قتیل شفائی کی آموختہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ناقدِ وقت علیم صبا نویدی نے لطیف طنز کا سرمایہ بکھیر دیا ہے۔ آسمان محراب کے عنوان سے شمس الرحمٰن فاروقی کی تحریروں میں فنی خصوصیات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ'ان نظموں میں

(بقیہ صفحہ 37 پر)

ندرت نواز
شاہ محلہ، ڈالٹن گنج، پلاموں
جھارکھنڈ-۸۲۲۱۰۱

ہر دَور میں ذی حِس شعرا نے خونِ جگر پیا ہے اور درد و غم کو شعر کے پیکر میں ڈھال کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اردو شاعری میں عشق اور موت کے فلسفے کو بڑی باریک بینی سے پیش کیا ہے۔ انسانی ذہن کی بینائیوں کی تصویر کشی میں اردو شاعری کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ اور اس کی تصویر کشی میں غم رنگ سب سے زیادہ گہرا ہے۔ جدید دور کے شعرا بھی اسی راہ پر گامزن ہو کر فن کی تخلیق کر رہے ہیں۔

۹۰ر کی دہائی میں ابھر کر آنے والے شعراء میں ڈاکٹر مقبول منظرؔ کا نام بھی شام ہے۔ ڈاکٹر مقبول منظرؔ محتاج تعارف نہیں۔ آپ علامہ ناوم بلخی کے شاگرد خاص رہے ہیں۔ علامہ سے آپ نے فن عروض کا علم حاصل کیا۔ ڈاکٹر مقبول منظرؔ بنیادی طور پر غزل کے خوش فکر شاعر ہیں۔ معاصر شعرا میں وہ اس لحاظ سے بھی منفرد ہیں کہ اُن کی شاعری کا کینوس وسیع ہے۔ ان کے شعری لہجے میں کلاسیکیت اور جدید احساسِ فکر کی لطیف آمیزش ہے۔ منظرؔ کی شاعری دوسرے جدید شعرا سے اس طرح بھی مختلف ہے کہ انھوں نے عمیق، دقیق اور گہرے فلسفیانہ نظریات کے مقابلے عام زندگی کے تجربوں کو پیش نظر رکھا ہے۔ ان کی شاعری فیشن زدہ جدیدیت کی زائیدہ نہیں ہے۔ ان کی علمی بساط وسیع و عریض ہے۔ مطالعے کی وسعت نے ان کی سوچ کی لہروں کو مرتعش اور تازہ رکھا ہے۔ اس لیے انھوں نے روایت کے اس سوتے سے رشتہ قائم رکھا ہے جہاں سے جدیدیت کا خوش ذائقہ پانی والا صاف وشفاف چشمہ اُبلتا ہے۔ ان کے یہاں فکر وجذبے کی وہ سچائی ہے جو شعری عوامل کے لیے لازمی ہے۔

ڈاکٹر مقبول منظرؔ نے غزل، نظم، دوہا، رباعی کے علاوہ ہائیکو اور ماہیے پر بھی طبع آزمائی کی ہے اور کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ یہاں پر ہم صرف ان کی غزل گوئی کے متعلق گفتگو کریں گے کیونکہ ان کی غزلوں کا مجموعہ ''چھاؤں مرے حصے کی'' ۲۰۱۷ کے اواخر میں شائع ہوا ہے جس کے مطالعے سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ مقبول کی غزلوں میں شعریت، غنائیت، لطافت، تخلیقیت، ندرتِ معنویت، اور فکری عوامل کی نادرہ کاری اعلیٰ وارفع سطح پر ملتی ہے۔ وہ لفظ کو تخلیقی لوازم سے آراستہ کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ اور اسے استعارے، پیکر اور علامت کے طور پر برتنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

یہ کب سوچا تھا ماتھے کا لکھا زیر و زبر ہوگا ۔ بنیں گے سب پرائے، اجنبی خود اپنا گھر ہوگا
ٹھنڈی راکھ، پھر بھی ہاتھ اس میں ڈالنے والو ۔ اسی کی گود میں جاگا ہوا کوئی شرر ہوگا

کہتے ہیں اب اسی کو زمانہ شناس لوگ ۔ جو شیشۂ فریب حریفوں کا پھوڑ دے
ظلمت کی سازشوں سے یہ کیوں ہار مان لی ۔ شب کا طلسم صبح کے نغموں سے توڑ دے

ڈاکٹر مقبول منظرؔ کی غزلیں روایتی انداز کے ساتھ ساتھ جدیدیت کے لہجے کو اپنائے ہوئے ہیں۔ سادہ الفاظ اور دلکش اسلوب اور متوازن مزاج سے قاری کو متاثر کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ نہ وہ پوری روایتی شکل اختیار کر کے قاری کو پریشان کرتی ہیں اور نہ مکمل جدیدیت کے سیلاب میں بہہ کر بدحواس نظر آتی ہیں، کم لفظوں میں بڑی بات کہنے کے ہنر سے آپ بخوبی واقف ہیں، اور اس میں وہ زمانے کی کڑوی سچائی کو پیش کرنے سے بھی نہیں چوکتے ہیں۔ بطور مثال چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

مستحق کو ملی کہاں دستار ۔ بندھ گئی اور ہی کے سر دیکھو
مت کریدو یہ جاگ جائیں گے ۔ خاک میں فتنے کے شرر دیکھو
زمیں کو دھوپ سے دے غسل صحت ۔ یہی خورشید خاور چاہتا ہے
اندھی آنکھوں ہی کے آگے ۔ شیشہ ہیرا، ہیرا شیشہ
کرے آرام ابھی شبنم گلوں پر ۔ کہ سورج کی کرن پھوٹی نہیں ہے
بیداری کی حالت میں ۔ دیکھ نہ لیٹا لیٹا خواب
بہت کچھ تمھیں دیکھنا ہے ابھی ۔ ابھی تم نے دیکھا زمانہ کہاں

معروف شاعر منور رانا فرماتے ہیں۔

سو جاتے ہیں فٹ پاتھ پہ اخبار بچھا کر ۔ مزدور کبھی نیند کی گولی نہیں کھاتے

کچھ یہی سوچ رکھتے ہوئے مقبول منظر یوں فرماتے ہیں۔

سرہانے رکھ کے بازو سو گیا وہ ۔ کہاں مزدور بستر چاہتا ہے

میرے نزدیک کوئی بھی شاعر قبل مطالعہ اُس وقت بن سکتا ہے، جب اسے اپنے شعری روایتوں کی بھی خبر ہو اور روایتوں نے جو نئی سج دھج اختیار کی ہے اس کی بھی آگہی ہو۔ جدید شاعری میں کچھ تو وہ ہیں جو عصری حسیت اور جدید حسیت کے نام پر بے تکان اپنا شعری سفر جاری رکھے ہوئے ہیں۔ روایتیں کیا کچھ کہہ رہی ہیں اس سے بے خبری اور لاعلمی ان کو معلّق بنائے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں جو سچا اور کھرا شاعر ہے وہ مشکوک ہو جاتا ہے۔ میں نے قبل ہی بیان کر دیا ہے کہ مقبول منظر جدیدیت کے سیلاب میں بہہ نہیں گئے ہیں۔ انھوں نے اپنے گوناگوں

خیالات، جذبات، حادثات اور تجربات کو اپنے کلام میں سمونے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ چند اشعار بطور مثال پیش کیے جاتے ہیں ؎

دستِ جدّت نے روایت کا بدن نوچ لیا۔ قابل فخر وراثت کا بدن نوچ لیا
ذائقہ کیسے مری بات کا شیریں ہوتا۔ تلخ لہجوں نے لطافت کا بدن نوچ لیا
آئیں نہ تیرے گھر میں اسے دیکھتے ہی سانپ۔ گھر کے منڈیر سے وہ کبوتر اُتار لے
اک پَل کے زلزلے نے تہہ خاک کر دیا۔ بکھرے پڑے زمیں پہ مناروں کے خواب ہیں
چین سے رہنے نہ دیں گے ہمیں اہلِ ثروت۔ مفلسی آ، تجھے ہم اپنا پتہ دیتے ہیں
شدید خوف ہے دریا نہ خشک ہو جائے۔ اُگل رہا ہے جو سورج الاؤ پانی پر

ڈاکٹر مقبول منظؔر آج کے شاعر ہیں اور ان کا کلام بھی اسی دور کا ہے۔ انھوں نہ طلسماتی فضا قائم کرنے کی کوشش کی ہے اور نہ مافوق الفطری عناصر سے کام لیا ہے۔ نہ وہ جذبات کی رَو میں بہہ گئے ہیں اور نہ خاموشی سے آنسو بہانے کا سوانگ رچتے نظر آتے ہیں۔ ان کے تجربات خود ان کے ذاتی واردات سے ماخوذ ہیں۔ منظر نے زندگی کے تقریباً تمام پہلوؤں کا بہت قریب سے مطالعہ کیا ہے۔ کچھ اُن پہ خود گزری ہے، کچھ سماج پر۔ لیکن اپنے فن سے کلام کو کچھ اس طرح موزوں کیا ہے کہ اسے جگ بیتی بنا دیا ہے اور قاری ان کا درد اپنا درد محسوس کرنے لگتا ہے۔ انھوں نے سماجی حقائق کو بہت حد تک ننگا کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن شائستہ شاعری کے تقاضوں کا بھی پورا خیال رکھا ہے۔ چند اشعار بطور مثال ملاحظہ فرمائیں ؎

دوُرتوں کے درمیاں اک جنگ جاری ہے تو ہے
لے کے ہر زخمِ خزاں بادِ بہاری ہے تو ہے
بادلوں نے مہر کے چہرے پہ ڈالا ہے نقاب
آسماں سے اب زمیں پر برف باری ہے تو ہے
جو ذائقۂ تلخ سے بیزار بہت تھے۔ اب نیم کی پتی کا مزہ مانگ رہے ہیں
اپنی جبیں رگڑتا رہا وہ یہاں وہاں۔ غیرت مری تو تیغ کے آگے بھی ڈٹ گئی
غم و رنج والم کی بات ہے افکار میں پنہاں
صدائے دردِ دل کی ہم نوا ہے شاعری اپنی

الغرض ڈاکٹر مقبول منظؔر کے اندر ایک حساس شاعر موجود ہے جو روایت کی روشنی سے استفادہ کر کے عصر حاضر پر اپنی گہری نظر رکھتا ہے اور اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں جی کھول کر بات کرنے کا عادی ہے۔ ڈاکٹر مقبول منظؔر کا شعری سفر ابھی شد و مد کے ساتھ جاری ہے۔ دیکھتے ہیں کہ اس سمندر سے اور کیا کیا گہر برآمد ہوتے ہیں۔

☆☆☆

ڈاکٹر قمر الزماں
SBI MTPS. D.V.C Colony
Bokaro-722183(W.B)
Mob-7076557266

غزل

رنج و الم سے پختہ ایمان ہوگیا ہے
یوں لگ رہا ہے جینا آسان ہوگیا ہے
انسان کو جو دیکھو حیوان ہوگیا ہے
شیطان ہی اب اس کا مہمان ہوگیا ہے
دیکھو نظر اٹھا کے تم چاہے جس طرف بھی
شیطاں بدل کے چولا انسان ہوگیا ہے
یوں پھیلے جا رہے ہیں حیوانیت کے جذبے
سارے جہاں کو جیسے سرطان ہوگیا ہے
اس سے گلو خلاصی شاید کہ مل ہی جائے
اک بوجھ سا جو سر پر بہتان ہوگیا ہے
قدرت کے کھیل ہیں سب اور کیا زماؔں کہیں ہم
کل تک جو تھا بھکاری سلطان ہوگیا ہے

منظور وقار (گلبرگہ)
Yadullah Colony,
Gulbarga-585104
(Karnataka). موبائیل:9731428416

طنز و مزاح

علامہ کاروباری کا روزہ

ماہ رمضان المبارک جونہی قریب آنے لگتا ہے علامہ کاروباری ماہ شعبان سے ہی اپنی نت نئی بیماریوں میں سے ایک عدد بیماری کا انتخاب کر کے علاج شروع کر دیتے ہیں رمضان کے مہینے میں سر جھکائے، منہ لٹکائے ہونٹ سکھائے لاغری اور نقاہت کی تصویر بن کر یوں گھومنے لگتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر لگتا ہے شہر میں اگر کوئی روزہ دار ہے تو وہ صرف علامہ ہی ہیں۔حقیقت تو یہ کہ علامہ کے لئے روزہ رکھنا اتنا ہی دلیری کا کام ہے جتنا اپنی بیگم صاحبہ کو روزہ رکھنے کا مشورہ دینا۔علامہ روزہ نہیں رکھتے ہوئے بھی روزہ دار جیسا حلیہ بنائے شہر میں گھومتے ہیں چائے کی ہوٹل یا کسی تلن گھر میں داخل ہونے سے پہلے ادھر ادھر دیکھ لیتے ہیں کہ ان کا کوئی شناسا انہیں دیکھ تو نہیں رہا ہے؟

ماہ رمضان میں علامہ سے جب ان کا کوئی دوست سوال کرتا ہے کہ
''علامہ! آپ کے روزے کیسے گزر رہے ہیں''

تو علامہ صد فیصد روزہ دار کا چہرہ بنا کر جواب دیتے ہیں۔''اللہ کا فضل ہے''۔

جب ان کا دوست دوسرا سوال کرتا ہے''علامہ اس بار گرمی کی شدت نا قابل برداشت ہے۔اس گرمی میں روزہ رکھنا کیا دل گردے کا کام نہیں ہے؟''

علامہ اس سوال کا جواب یوں دیتے ہیں۔''جناب! جب آدمی ایک بار روزہ رکھنے کی نیت کر لیتا ہے تو اس کے سامنے دھوپ کی گرمی کیا چیز ہے۔آگ کی لپیٹیں بھی کوئی معنیٰ نہیں رکھتیں۔''

جب ان سے کوئی شخص اس طرح راست سوال کرتا ہے''علامہ کیا آپ روزے میں ہیں؟''

علامہ اس طرح کے راست سوال کا ایک مبہم سا جواب یوں دیتے ہیں ''۔ہاں میں روزے میں ہوں؟''۔

یہاں روزہ میں ہوں سے علامہ کی مراد محلّہ روضہ بزرگ سے ہوتی ہے کیونکہ علامہ روضہ بزرگ میں جو رہتے ہیں.....غرض علامہ اس قدر چالاک اور حاضر جواب ہیں کہ ان کی چالاکی اور حاضر جوابی کے آگے ہمارے ملک کے بڑے بڑے لیڈر بھی شرما جائیں۔

جب کوئی علامہ کو''لسی'' پیتے ہوئے یا''مال پوری کھاتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیتا ہے تو علامہ کھٹ کے ساتھ جیب سے تین عدد کیپسل اور تین عدد گولیاں نکال کر دکھائیں گے۔اور کہیں گے''روزہ رکھنے کا پورا پورا ارادہ تھا۔کم بخت بیماری نے مجھے کہیں کا نہ رکھا ڈاکٹر کی ہدایت ہے دن میں تین وقت دوائی بلا ناغہ لی جائے۔''

ایک دن ہم نے علامہ کو سوپر مارکیٹ میں ایک دھنی سیٹھ کی جانب سے نکڑ پر رکھے گئے مٹکے کا پانی پیتے ہوئے پکڑ لیا تو علامہ سپٹپا کر پیشانی پر نمودار پسینے کے قطروں کو صاف کرتے ہوئے جیب سے تین عدد کیپسول اور تین عدد گولیاں نکال کر اپنا مخصوص ڈائیلاگ دہرانے والے ہی تھے کہ ہم نے کہا''علامہ اپنے تین عدد کیپسول اور گولیوں کو جیب ہی میں رکھو اب تو پورا شہر جان چکا ہے کہ آپ کا علاج جاری ہے۔ڈاکٹر نے آپ کو دن میں تین وقت بلا ناغہ دوائی لینے کی ہدایت دے رکھی ہے۔''

علامہ ہمارے طنز کو سمجھ کر قدرے ناراض ہوکر بولے''وقار! تمہاری باتوں میں تمسخر کی بو آرہی ہے۔کیا میرے چل رہے علاج پر تمہیں شک ہے.....؟ہم سے اس بار نہیں رہا گیا۔ہم اُبل پڑے۔''علامہ! ہاتھ بھر لمبی داڑھی رکھ کر جھوٹ بولتے ہوئے شرم نہیں آتی۔دراصل روزہ رکھنے سے آپ اس بات کا خوف ہے کہ کہیں آپ کی سانڈ جیسی جسامت پگھل نہ جائے۔'' آپ کو روزے کی عظمت سے زیادہ اپنی صحت عزیز ہے فضول میں ہزاروں بہانے کیوں تلاش کرتے ہو۔''

علامہ کو ہماری کھری کھری باتیں شاید بری لگیں بولے''ہاں! میں روزہ نہیں رکھتا لیکن روزہ رکھ کر دوسروں کی طرح غیبت نہیں کرتا، دھوکہ نہیں دیتا، عورتوں پر بری نظریں نہیں ڈالتا۔''

ہم نے کہا۔''علامہ آپ روزہ داروں میں جن برائیوں کو ڈھونڈ رہے ہیں کیا آپ میں یہ برائیاں اور کمزوریاں نہیں ہیں؟۔''

علامہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا''مجھ میں برائیاں ہوں یا نہ ہوں اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ میں تو روزہ ہی نہیں رکھتا۔ہاں میں رات کا روزہ دار ہوں یعنی رات ہی کو میرا منہ میری آنکھیں اور میرے کان بند رہتے ہیں۔دن بھر تو میں جگالی کرتے پھرتا ہوں''۔

ہم نے غیرت دلاتے کہا''علامہ کیوں اس قدر چکنے گھڑے بنے ہوئے ہو۔خدا سے ڈرو ایک دن اس کے سامنے جواب دینا ہے روزہ ایک مقدس نعمت ہے جس کا لطف صرف روزہ دار ہی محسوس کرسکتا ہے۔تم جیسے چکنے گھڑوں کو بھلا

روزے کی اہمیت کیا معلوم''۔

ہمارے طنز کا تیر شاید علامہ کے سینہ میں اتر گیا ان کی غیرت اچانک جاگ اٹھی اور آنکھ میں آنسو لا کر بولے وقار میں بہت بڑی بھول کر رہا تھا۔ اچھا ہوا تم نے میری غیرت کو جگا دیا۔ انشاء اللہ کل میں روزہ رکھوں گا۔'' علامہ نے ہمیں پابند کرتے ہوئے کہا'' وقار تم فجر کی نماز کیلئے مجھے ضرور جگانا کیونکہ میں سحری گھٹ اور فجر چٹ کا آدمی ہوں۔

علامہ روزہ رکھنے کے بعد اس قدر چڑ چڑے اور جھگڑالو بن جائیں گے ہمیں اس کا اندازہ نہیں تھا۔ خیر ہم حسب وعدہ صبح ساڑھے پانچ بجے علامہ کے مکان پر پہنچے دو تین بار آواز لگانے کے بعد علامہ ہڑ بڑا کر اٹھے گھڑی دیکھی نماز کا وقت قریب تھا جلدی جلدی شیروانی پہنی پیر میں چپل ڈالے'' توبہ توبہ تھوتھو! استغفر اللہ استغفر اللہ! نیند کا غلبہ بھی بڑا برا ہوتا ہے''۔ کہتے ہوئے ہمارے ساتھ مسجد کی جانب تیز تیز قدم بڑھانے لگے راستے میں ایک کتے کو پتہ نہیں کیا سوجھی وہ علامہ کو دیکھ کر بھونکنے لگا علامہ کے غصے کی پہلی قسط ان کے سر پر چڑ گئی۔ وہ خود بھی کتے پر بھونکنے لگے''۔ بدمعاش کمینہ کتا کہیں کا صبح صبح کیا تیرا دماغ خراب ہوا ہے تجھے چھوٹے بڑوں کا خیال نہیں روزہ داروں کا احترام بھی تجھے نہیں معلوم بس شیروانی دیکھا کہ لگا حزب مخالف لیڈروں کی طرح حلق پھاڑنے اور ہماری طرف دیکھ کر بولے'' بڑا بدتمیز اور مذہب بیزار کتا ہے۔''

ہم نے جواب دیا'' علامہ کتا آخر کتا ہے وہ جن لوگوں کو دیکھ کر بھونکنا چاہتا ہے بھونک کر ہی رہے گا آپ کیوں صبح صبح کتے سے جھگڑا مول لے رہے ہیں! جب کہ نماز کا وقت قریب ہے''

علامہ نے پھر گھڑی پر نظر ڈالی اور بڑ بڑانے لگے'' توبہ توبہ تھوتھو شیطان ہمیشہ نیک بندوں کے راستوں میں کبھی کتا کبھی بلا کبھی بلی بن کر حائل ہوتا ہے'' پھر تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے مسجد میں داخل ہو کر جلدی جلدی وضو کرنے لگے علامہ کے بغل میں ایک دس بارہ برس کا بچہ بیٹھا وضو کر رہا تھا علامہ وضو کرتے ہوئے اس قدر پانی اچھال رہے تھے کہ اس بچہ کا لباس گیلا ہو گیا بچہ بھی بلا کا منہ زور تھا کڑک کر بولا'' علامہ ڈھنگ سے وضو کیجئے گا کیا مجھے نہلانے کا ارادہ ہے''.

علامہ کے سر پر پچاس فیصد پارہ چڑھ گیا وہ بھڑک اٹھے'' ابے لونڈے مجھے وضو کرنا سکھاتا ہے بالشت بھر کا چھوکرا اور اتنی لمبی زبان تجھے مسجد میں آنے کس نے دیا جماعت ٹھہرنے والی ہے ورنہ تجھے زبان درازی کا مزہ چکھا دیتا گرما کا موسم ہے چند قطرے پانی جسم پر گر بھی گیا تو ٹھٹھر تھوڑے ہی جائے گا''

منہ زور بچہ اپنے سے کئی گنا زیادہ منہ زور انسان کو دیکھ کر دب گیا نماز کے بعد مکان جاتے ہوئے علامہ نے ہم سے کہا ٹھیک گیارہ بجے (دن) مجھ سے ملنا بازار جانا ہے کپڑے خریدنے ہیں'' ہم ٹھیک گیارہ بجے علامہ کے مکان پر پہنچے علامہ اپنے گھر سے سکینڈ ہینڈ موٹر سائیکل نکالی ہمیں پیچھے بٹھا کر بازار کی جانب روانہ ہوئے ابھی ایک فرلانگ کا فاصلہ بھی طے نہیں ہوا تھا کہ علامہ ایک آٹھ دس برس کے بچہ کو کچلتے کچلتے رہ گئے

بچہ زمین پر گر پڑا، ہاتھ پیر پر لگی ہوئی دھول اور مٹی صاف کرتے ہوئے بولا'' علامہ! کیا آج آپ لوگوں کی جان لینے کے ارادے سے باہر نکلے ہیں۔۔۔''
دیکھنے میں معصوم نظر آنے والے بچے کی زبان سے اس طرح کا طنزیہ جملہ علامہ نے سنا تو علامہ کے سر پر غصہ کا پارہ تالو تک چڑھ گیا۔ وہ بچے پر قہر بن کر برس پڑے بولے'' بے لگام! بدتمیز چھوکرا! ڈھنگ سے چلنا بھی نہیں آتا مگر قینچی کی طرح زبان چلاتا ہے۔ روزہ دار ہوں ورنہ آج تیری زبان حلق سے نکال دیتا۔
علامہ کو بچے پر برستے ہوئے دیکھ کر راہ گیر جمع ہونے لگے۔ ایک نے کہا۔۔'' جانے دیجئے علامہ بچہ معصوم ہے''
علامہ اس پر جیسے پھٹ پڑے'' بچہ اگر اتنا ہی معصوم اور پیارا ہے تو اسے گود کیوں نہیں لیتا۔ اس طرح روزہ داروں کو پریشان کرنے کے لئے سڑک پر کیوں چھوڑ رکھا ہے؟''

بیچارہ راہ گیر علامہ کا جواب سن کر پانی پانی ہو گیا...... علامہ کی حالت دھوپ کی شدت سے تپتے ہوئے ریگستان کی طرح ہو گئی تھی۔ وہ موٹر سائیکل دیوانہ وار دوڑانے لگے۔ موٹر سائیکل ایک گڑھے میں اترنے ہی والی تھی کہ ایک راہ گیر نے علامہ کو چوکنا کرانے کے لئے آواز لگائی'' علامہ سنبھل کے آگے گڑھا ہے'' علامہ نے فوراً گاڑی کو بریک لگا کر دیکھا تو سامنے واقعی خطرناک گڑھے کو پایا۔ پہلے تو وہ سٹپٹائے پھر اپنی پشیمانی چھپانے کے لیے راہ گیر کو ڈانٹنے لگے۔ میں اندھا نہیں ہوں جو لونا کو گڑھے میں اُتار دیتا۔ میں بریک لگانے والا ہی تھا کہ تم نے خواہ مخواہ کی ہوشیاری دکھائی'' پھر ہماری طرف دیکھ کر بولے'' میں روزہ دار ہوں تو اس کے معنی یہ نہیں کہ میں اپنے ہوش ہی کھو بیٹھا ہوں'' راہ گیر شرمندہ ہو کر آگے بڑھ گیا۔

علامہ بڑ بڑاتے ہوئے لونا دوڑانے لگے'' توبہ توبہ تھوتھو...... کیسے کیسے نمانے شہر میں بسے ہیں خود تو روزہ رکھتے نہیں الٹا روزہ داروں کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔ بازار میں پہنچے تو گاڑی کو ایک ہول سیل کپڑے کی دکان کے قریب روک دیا اور ہمیں لے کر دکان میں داخل ہوئے۔ دکان میں کافی بھیڑ تھی۔ علامہ ایک کاؤنٹر پر جہاں نوجوان سیلز مین کھڑا تھا پہنچے اور نوجوان کو حکم دیا کہ وہ اچھے سستے اور مضبوط کپڑے دکھائے۔ نوجوان بولا'' علامہ زنانہ کپڑے دکھاؤں یا مردانہ''
علامہ بجھتے ہوئے چراغ کی طرح بھڑک اٹھے۔ ارے او نالائق! کیا میں تجھے خاتون نظر آ رہا ہوں کم بخت مردانہ کپڑے دکھا۔''

نوجوان سہم کر ڈھیر سارے مردانہ کپڑے علامہ کے آگے ڈال دیا۔ اس ڈھیر میں سے علامہ نے اپنے لئے دو عدد شیروانیوں اور بچوں کے لیے چھ جوڑ کپڑوں

(بقیہ صفحہ 40 پر)

غـــــزلیـــــات

عبدالمجید فیضی سمبلپوری
12/106,Nayapara,Samblpur,Odisha,

کنول میں دل کے میرے ہے چراغِ آرزو روشن
ہے جس سے پارہ پارہ تیرگیٔ یاس کا دامن
چمک ہے بجلیوں کی، گھن گرج بھی ہے گھٹاؤں کی
گرجتا مست ہاتھی کی طرح لو آ گیا ساون
کھلا کرتا ہے ہر رت میں مگر ہے کتنا خوش منظر
کنول کا جگمگاتے موتیوں سے ہے بھرا دامن
نہ ہو کیوں میرے گھر کا گوشہ گوشہ دید کے قابل
ہے کتنا روح پرور بیل بوٹوں سے بھرا آنگن
کہیں پھٹتے ہیں بادل اور کہیں خشکی کا ہے عالم
بہر دو حال انساں کا بڑی مشکل میں ہے جیون
بسنتی رت ہے من موہک ہے کیسی جاں فزا فیضیؔ
یہ ہریالی کا موسم ہے تر و تازہ ہیں بن اُپ بن

علیم صبا نویدی
192,triplicaneRoad
2ndFloor,FlatNo-16
RiceMandiStreet,Chennai

مہکتی دہکتی خوشی آئی ہے
مجھے ڈھونڈتی ہر صدی آئی ہے
میں جب بھی بڑھا اپنے اندر کی سمت
مرے حق میں ہر شے نئی آئی ہے
ذرا نبض کی نبض پرسی کرو
کوئی میرے اندر کمی آئی ہے
ڈبو دیں سیاہی میں جب دھڑکنیں
لبوں پہ مرے تازگی آئی ہے
ہوئے سبز جب چلتے پھرتے نصیب
نگاہوں میں پھر جان سی آئی ہے

شاعر فتحپوری
دکان پور۔ Mob-9935416865

کبھی وہ دل کی کدورت کو صاف کر نہ سکے
ہماری ایک خطا بھی معاف کر نہ سکے
زمانے والے ہمارے خلاف تھے لیکن
کوئی بھی بات ہمارے خلاف کر نہ سکے
یہ بد نصیبی نہیں ہے تو اور پھر کیا ہے
حرم پہنچ کے جو انساں طواف کر نہ سکے
اسے میں اپنا کہوں بھی تو کس طرح سے کہوں
جو اپنے جرم کا خود اعتراف کر نہ سکے
مری نظر میں وہ انسان ہو نہیں سکتا
طلوعِ مہر کا جو انکشاف کر نہ سکے
تم ایسے لوگوں سے ہمت کی بات کرتے ہو
غرور کی جو تہوں میں شگاف کر نہ سکے
تو اپنی باتوں میں شاعرؔ کشش وہ پیدا کر
کہ زندگی میں کوئی اختلاف کر نہ سکے

شارق عدیل
At/P.O:Marhera.Dt:Etah(U.P)
Mob-9368747886

بغض و حسد کی اور نہ عداوت کی دھند ہے
مہلک جہاں میں جتنی سیاست کی دھند ہے
ظلمت کے دائروں کو فضا میں اچھال کر
ساحر یہ کہہ رہا ہے کرامت کی دھند ہے
مہتاب جیسا کر دے خدایا وجود کو
جس سمت جا رہا ہوں قیامت کی دھند ہے
ہر لمحہ اس کے دل میں پنپتی ہے سرکشی
چہرے پہ یوں تو صبر و قناعت کی دھند ہے
کس حوصلے سے دیکھے وہ احسان کش مجھے
چھائی ہوئی نظر پہ ندامت کی دھند ہے
شارقؔ مقیم کون ہے بستی میں آپ کی
جس سمت دیکھتا ہوں فراست کی دھند ہے

اختر شاہجہانپوری
RangeenChaupal.Shahjahanpur
Mob-8953035474

مری راہوں میں کانٹے بو گیا ہے
مگر کتنا اکیلا ہو گیا ہے
بہت بے چین سے لگتے ہو تم بھی
تمہارا بھی کہیں کچھ کھو گیا ہے
محبت سے ترا یوں پیش آنا
تو کیا گردِ کدورت دھو گیا ہے
اسی کو ڈھونڈتی ہیں میری نظریں
فضا میں جو پرندہ کھو گیا ہے
اسے بھٹکا رہی ہے خوش نگاہی
تری محفل سے اٹھ کر جو گیا ہے
جگائے گا اسے خورشیدِ محشر
جو دن ڈھلتے ہی اخترؔ سو گیا ہے

ڈاکٹر مسعود جعفری
موبائل۔ 8367391303

خدا سے اول و آخر سوال پوچھو تو
ہوا ہے کس لیے اپنا زوال پوچھو تو
ہمیشہ بابری مسجد کی بات کرتے ہو
کبھی تو تاج کا حسن و جمال پوچھو تو
بہت سے لوگ تو مارے گئے فسادوں میں
جو بچ گئے ہیں کبھی ان کا حال پوچھو تو
تم اپنے شہر میں رہتے ہو شادماں لیکن
کبھی تو گاؤں کا حزن و ملال پوچھو تو
فریب و مکر پہ دار و مدار ہے اس کا
کہاں سے لایے گا رزقِ حلال پوچھو تو
بہت ہی گرم ہے بازار ان دنوں مسعودؔ
ہر ایک چیز میں کیوں ہیں اچھال پوچھو تو

ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی

MalanguaDt:Sarlahi.Nepal
Mob-8229055737

آنکھوں کی نیند روح کی تسکین لے گیا
میرا کمال[1] میرا سکوں چھین لے گیا
محفوظ ہر بلا سے وہ ہوگا خدا گواہ
جو اپنے ساتھ سورۂ یٰسین لے گیا
دنیا رہِ غضب پہ چلاتی رہی مجھے
مجھ کو صراطِ حق پہ مرا دین لے گیا
دل سے وفورِ شوقِ مسرت کو چھین کر
وہ حسن کی ملاحت و تزئین لے گیا
اک محسنِ عظیم کا فیضان اے وصیؔ
ماضی کا کرب ناک ہراک سین لے گیا

[1] اپنے چھوٹے لڑکے کمال خالد کی ناگہانی رحلت

جمیل فاطمی

At/P.O:Lakhmaniya.
Dt:Begusarai(Bihar)

نہ آئیں کام کچھ ہم کو ہماری کوششیں اپنی
کہاں اب لے کے جائیں ہم فسردہ خواہشیں اپنی
اگرچہ سازشیں کی تھیں خلافِ اہلِ گلشن کے
تمھیں کو کر گئیں رسوا تمہاری سازشیں اپنی
فقیرِ شہر ہیں ہم کو ضرورت کیا ہے راحت کی
تم اپنے گھر اٹھا رکھو خدارا بخششیں اپنی
نہ آئی نیند جب ہم کوٗ غموں سے دوستی کرلی
غموں کے رتجگے اپنےٗ غموں کی یورشیں اپنی
جہاں خوابوں میں بھی پہنچے نہ تھے پائے خیال اب تک
وہاں تک لے گئیں ہم کو ہماری کاوشیں اپنی
جمیلؔ اکثر رلایا ہے ہمیں جس کے تغافل نے
اسی کے سامنے رکھ دی ہیں ہم نے نالشیں اپنی

مہدی پرتاپ گڑھی

28-SchoolWard.
Partapgarh-230001(U.P)

ہیں ہوشیار داؤ تمہارا نہ چلے گا
سورج کے نکلتے ہی اندھیرا نہ رہے گا
پایاب ندی میں کوئی کشتی نہ چلے گی
پامال زمیں پر کوئی دانہ نہ اگے گا
کرنا نہ کبھی ہاتھ اٹھانے کی حماقت
اس شہر میں مانگو گے تو ٹکڑا نہ ملے گا
دل ماں کا دکھائے گا جو انسان جہاں میں
جنت میں کہیں اس کو ٹھکانا نہ ملے گا
میں ریت پہ لکھی ہوئی تحریر نہیں ہوں
ہوں لفظِ محبت نہ مٹا ہے نہ مٹے گا
کچھ دیر یہاں بیٹھ لیں مٹ جایے تھکن کچھ
کہتے ہیں کہ آگے کہیں سایہ نہ ملے گا
سمجھو تو وہ کہتا ہے بہت بات پتے کی
مہدیؔ سا نہ تم کو کوئی دیوانہ ملے گا

عبدالحیٔ پیام انصاری

Ex.DeputyControllerOfDefenceAccounts
PiprauliBazar,Dist.Gorakhpur(U.P)

ناحق کیوں الزام کسی پر دھرتا ہے
جیسا جو کرتا ہے ویسا بھرتا ہے
چاہے جو بھی ہو ایمان ہے یہ
اللہ جو کرتا ہے اچھا کرتا ہے
متزلزل ایمان اگر ہو جایے تو
اپنے ہی سائے سے انساں ڈرتا ہے
اچھا برا تو سب کو ہے معلوم مگر
جس کو اللہ چاہے وہی سدھرتا ہے
اس کی عطا کا شکر کرو اور صبر کرو
سوچنے سے ہی اکثر درد ابھرتا ہے
عزت ہی دولت ہے بڑی پیام
نیکی کرنے سے کردار سنورتا ہے

عمران راقم

3-GrantStreet.Kolkata-13
Mob-9163916117

کیا کیا شعر نکالے بابا
پھر حیرت میں ڈالے بابا
اپنے ہی گھر کرتے ہیں
چاروں اور اجالے بابا
سچ سچ کچھ تو بولو تم
منہ پر کیوں ہیں تالے بابا
اچھے دن کب آئیں گے
کب ہوں گے اجیالے بابا
دہشت کے کیوں اڈے ہیں
مندر اور شوالے بابا
سونگھ گیا ہے سب کو سانپ
زہر یہ کون نکالے بابا
گئو ماتا کے صدقے میں
دودھ ملائی کھا لے بابا
اخباروں کی سرخی ہیں
اب تو مرچ مسالے بابا

سہیل احمد

14/6,CivilLine.Kanpur
Mob-9936414868

ہوائے تند نہ چھیڑو یہ آشیانہ ہے
یہ میرے خوابِ محبت کا شامیانہ ہے
دلوں میں میل طبیعت بھی جارحانہ ہے
سمجھ میں کیوں نہیں آتا یہ دوستانہ ہے
ملے وہ مجھ سے کچھ ایسے کہ جیسے غیر ملے
ہراک لمحہ بنایا مجھے نشانہ ہے
خبر یہ ہے کہ وہ آئیں گے اور ٹھہریں گے
خوشی سے جھوم اٹھا یہ غریب خانہ ہے
ہے دستِ مادرِ شفقت ہمارے شانے پر
ہمارے سر پہ محبت کا شامیانہ ہے
ہمیشہ درد ملا چاہتوں کے بدلے میں
نصیب جیسا کہ اک غم کا آشیانہ ہے
سہیلؔ چل دے سفر پہ طلب میں منزل کی
پتہ نہیں کہاں اب تیرا آب و دانہ ہے

عبرت مچھلی شہری
MohallaKhanzada
MachhliShaher.Jaunpur
Mob-7618034824

سچ تو نے کہا دنیا تو میری بھی نہیں ہے
میری بھی نہیں ہے تو یہ تیری بھی نہیں ہے
ہیں دور تلک اس کی رفاقت کے اجالے
یادوں کی گلی اتنی اندھیری بھی نہیں ہے
ٹھہریں بھی کہاں تیری محبت کے مسافر
رستے میں کہیں چھاؤں گھنیری بھی نہیں ہے
اغیار کے ہاتھوں میں چلی جائے نہ اک دن
افتادہ زمیں قوم نے گھیری بھی نہیں ہے
مرنے سے مسائل تو کبھی حل نہیں ہوتے
یہ خودکشی دراصل دلیری بھی نہیں ہے
عبرتؔ مجھے تقدیر دکھانے لگی آنکھیں
مجھ سے نظر اس نے ابھی پھیری بھی نہیں ہے

مضطر افتخاری
166/H/,KeshabChandraStreet
Kolkata-700009

تم ہی بتاؤ اس محفل میں مجھ سے بہتر کتنے ہیں
لب پر بیٹھے بول ہیں جن کے دل میں خنجر کتنے ہیں
آؤ چل کر ہم ہی پوچھیں اہلِ سیاست سے یارو
ایوانوں میں بیٹھنے والے امن کے پیکر کتنے ہیں
کل تو ٹھاٹھیں مار رہا تھا سر کا سمندر سڑکوں پر
آج ذرا ہم چل کر دیکھیں سولی پر سر کتنے ہیں
نئے نئے پودوں کی قطاریں ہیں تو یوں تا حد نظر
سوچا جائے گاؤں میں اب پیڑ تناور کتنے ہیں
اہلِ نظر تو بھانپ ہی لیں گے فن کے ہر اک پہلو کو
فکر کے تیرے سیپ میں مضطرؔ لعل و گوہر کتنے ہیں

سید خادم رسول عینی
UnionBankOfIndia
BhusawalBranch.Dt:Jalgaon
Mob-9628721999

ان کی سنجیدگی سے کبرِ جہاں ٹوٹ گیا
شر کی پسپائی ہوئی زورِ سناں ٹوٹ گیا
باغ میں چھاتے ہی تاریک خزاں کا موسم
چہرۂ گل سے تبسم کا سماں ٹوٹ گیا
تم تو ایقان کی سیڑھی پہ چڑھانے سے رہے
کیسے کہتے ہو کہ امکانِ گماں ٹوٹ گیا
کون ہے اس کا سبب آج معیشت ہے تباہ
کیا ہوا آج ترقی کا نشاں ٹوٹ گیا
منتظر جس کے لیے عینیؔ رہا شوقِ بہار
وہ ہوا جلوہ فشاں زورِ خزاں ٹوٹ گیا

فیض رتلامی
ZilaAdhhykshEducation
Society
48.SamtaNagarRatlam-457001(M.P)

حسیں آج دل کی یہ محفل سجی ہے
چلے آؤ ہمدم تمہاری کمی ہے
ذرا چاند کو آ کے شرمندہ کردو
چمکتی ہوئی چاند کی چاندنی ہے
شکایت کو یوں مسکرا کے نہ ٹالو
محبت کو سمجھے ہو کیا دل لگی ہے
نہ کلیوں میں رنگت، نہ پھولوں میں نکہت
ہوا گلستاں میں یہ کیسی چلی ہے
بڑوں سے تمہیں انسیت رکھنا ہوگی
بزرگوں کی خدمت بھی اک بندگی ہے
جو عزت ہے وہ فیضؔ دی ہے اسی نے
کہ بگڑی ہوئی اپنی قسمت بنی ہے

اظہر نیر
At/P.O:Barhulia.Via:KansiSimri
Darbhanga-847106
Mob-9939749452

اب وہ تیری زبان میں تاثیر ہے کہاں
اپنی طرف جو کھینچ لے تقریر ہے کہاں
لاؤں کہیں سے ڈھونڈ کے میرے مجاہدو
دشمن کو پست کرتا ہے وہ تیر ہے کہاں
من مانی اپنی کرتی ہے جب چاہتی ہے وہ
ظلمت کے پاؤں میں کوئی زنجیر ہے کہاں
کس طرح جنگ کا تو کرے گا بھی سامنا
دیوار پر ٹنگی ہوئی شمشیر ہے کہاں
سب کی زبان پر یہی چرچا ہے رات دن
نیرؔ سا آج صاحبِ تحریر ہے کہاں

ابرار نغمی
Raiseen(M.P)Mob-9424433844
Mob-9424433844

یوں ترے انتظار میں ہم ہیں
کہ فریبِ بہار میں ہم ہیں
نظر آتی نہیں ابھی منزل
راستے کے غبار میں ہم ہیں
سنتے کب ہیں ضمیر کی آواز
نشۂ اقتدار میں ہم ہیں
دیکھیے کب ہوں صاحبِ کردار
کذب و نااعتبار میں ہم ہیں
آؤ بدلیں نظام گلشن کا
وہ گلوں میں ہیں خار میں ہم ہیں
ہوں گے بیدار جانے کب نغمیؔ
ابھی تو خواب زار میں ہم ہیں

ڈاکٹر یوسف صابر

Mob-9326772575

کیسے بانٹتا ہے روشنی جہاں میں دیکھئے
دل جلائے کوئی آپ کا تو چاند آسماں میں دیکھئے
دیکھنا ہے آپ کو اگر ملک سے ہمارا واسطہ
تو خوشبوئیں بکھیرتے ہوئے گلستاں میں دیکھئے
رہبری نے آپ کے حضور کیسے گل کھلائے ملک میں
کتنا ہے اندھیرا آپ کے اپنے ہی مکاں میں دیکھئے
استعمال ہو اگر صحیح دیتی ہے نفع ہر اک چیز
کس طرح سے کام آگئے تنکے آشیاں میں دیکھئے
صابر اپنی زندگی یہاں دوسروں پہ صرف جو کرے
پرسکون آپ وہ نظر ہر گھڑی جہاں میں دیکھئے

مظہر محی الدین

C/O IsmailPanwala.H,No-9/7/680
8.1,PatilNagar.MahantalayaMath
Shool.27Ward.3rd Cross
Koppal-583231(Karnataka)

خیر ایسا کیا، خوش بیاں کرگیا
جتنے اوہام تھے، رفتگاں کرگیا
شر کا پھیلاؤ بارِ گراں کرگیا
سر اٹھایا تو پھر خاک داں کرگیا
معجزہ ہے یہ عالم پہ قرآن کا
عزم محکم ، ارادہ گراں کرگیا
اس کی رحمت کا اک ایک پل
اہل ایمان پر سائباں کرگیا
اس کی قدرت کا ادنیٰ کرشمہ ہے یہ
آگ نمرود کی، گلستاں کرگیا
ایک مچھر نے نمرود کی جان لی
وقت منصف بنا بے نشاں کرگیا
شعر گوئی کا مظہر ہے ملکہ کسے
ذکر میرا وہ ہر سو رواں کرگیا

بے نام گیلانی

NaiSarai.Nalanda-803101
Bihar

کچھ اس لیے جہاں میں مسرت نہیں رہی
رشتے تو رہ گئے ہیں محبت نہیں رہی
جاری ہے کیونکہ ایسے تغافل کا سلسلہ
لگتا ہے انکو میری ضرورت نہیں رہی
دنیا نے مجھکو آج فراموش کر دیا
مجھکو بھی اس جہاں سے شکایت نہیں رہی
ماضی کا لوٹنا گویا ممکن نہیں رہا
مظلوم میں وہ خوئے بغاوت نہیں رہی
تو نے تو اس صفت سے نوازا تھا بے پناہ
یارب تیرے بشر میں مروت نہیں رہی

ذکی طارق بارہ بنکوی

Sadafganj.Barabanki-225206
(U.P)

گئی رتوں کی پھر آنے کی دل میں آس نہ رکھ
گزشتہ لمحوں کی تصویریں اپنے پاس نہ رکھ
جو شہرِ سنگ میں جینا ہے سنگ دل بن جا
تو اپنے سینے میں اب قلبِ غم شناس نہ رکھ
یہ چند پل کی خوشی غم کا پیش خیمہ ہے
تبسمات پہ تسکین کی اساس نہ رکھ
بہارِ نو ترے دامن میں آتشِ گل ہے
برہنہ شاخوں پہ پھولوں کا اب لباس نہ رکھ
یہ آتے جاتے خیالوں سے انس کیا معنی
کہ اپنے ہونٹوں پہ اب ریزہ ریزہ پیاس نہ رکھ
یہی چراغ تو ہے رات کا حسیں سورج
اسے خدا کے لیے آندھیوں کے پاس نہ رکھ

قدیر احمد قدیر

K.M.Balkundri.NaveedManzil
LIG-II-LE-9,KrisnaColony
Halkoti-582205.Dist:Gadak((Karnataka)

شب گزاری ہے شب گزرنے تک
نیند بھی آنکھ میں اترنے تک
روز نکلے گا اک نیا سورج
دیر ہے رات کے گزرنے تک
موسمِ گل کی جلوہ آرائی
غنچۂ گل ترے بکھرنے تک
شاید اس بار مل نہ پائیں ہم
موسمِ گل ترے گزرنے تک
موت برحق ہے موت آئے گی
خوف کھاتے ہیں لوگ مرنے تک
کام مشکل نہیں قدیر کوئی
کام مشکل ہے کر گزرنے تک

علیم طاہر

Mob-9623327923

خودغرضی کا زہر ہے دل کے رشتوں میں
گرمی کی دوپہر ہے دل کے رشتوں میں
آگے چل کر ہوگی وہ سیلاب نما
نفرت کی اک لہر ہے دل کے رشتوں میں
اپنی اپنی مستی میں جھومے رشتے
ان دیکھی سی بحر ہے دل کے رشتوں میں
رگ رگ میں دوڑے اب ابن الوقتی
گمراہی کا قہر ہے دل کے رشتوں میں
بازاروں میں بھاؤ تاؤ پر بکتے ہیں
ربط ضبط کا شہر ہے دل کے رشتوں میں
ہر رشتہ اشنان کرے ہے طاہر جی
آزادی کی نہر ہے دل کے رشتوں میں

ڈاکٹر علی عباس اُمید
Star Residency, Idgah Hills
BHOPAL-462001(M.P)
Mob:09200846045

افسانہ

بے زمینی کا المیہ

فضا خاموش ہے!

سیاہ بادلوں کا قافلہ سُرخ رو ہو کر اس شہر سے ہجرت کر رہا ہے۔ بچی کھچی نیم روشن آنکھیں ان پر جمی ہوئی ہیں۔ وہ خائف ہیں......اب یہ بادل نہ جانے کس بستی کو لہو رنگ کریں گے!

فضا خاموش نہیں ہے!

ہوا کے دوش پر تیرتی ہوئی گرم خبریں بجے ہوئے کانوں میں پگھلے ہوئے شیشے کی طرح اُتر گئی ہیں' سیاہ بادلوں کا قافلہ پھر اس شہر سے ہو کر گزرنے والا ہے......بچی کھچی سانسوں کے تسلسل میں خود بہ خود بے ربطی آنے لگی ہے۔

فضا خاموش ہے!! نیم بیدار اذہان آج ہمیشہ سے کہیں زیادہ استغراق میں ہیں' پہلے تو بادلوں کے کئی رنگ ہوا کرتے تھے......سفید، اودے، بھورے، کاسنی، چمپئی، نیلے لیکن اب....صرف دو......سیاہ اور سُرخ......سیاہ یعنی تاریکی' سُرخ یعنی لہو رنگ۔ آخر کیوں؟ کہاں چلے گئے دل کے ساگر میں مسرت کی نرم رفتار موجیں اٹھانے والے خوش رو بادل! روح کو سرشار کرنے والے رنگ' آخر کیا ہو گیا ہے اب سیاہ چہرہ آنے والے بادل سُرخ رو ہو کر جانے لگے ہیں؟ سیاہی کے سُرخی میں تبدیل ہونے والے لمحات اس بستی کے لئے دمِ واپسیں بن جاتے ہیں اور.....اور.....تاریکی.....لہو آلودہ اندھیرا بن کر جاتا ہے، اس کے مقدر میں بے جان وقت کا بدترین احساس۔

فضا خاموش نہیں ہے!!!

جسموں کے اُجڑے جنگل پر خاموشی کی تیز دھوپ نے اپنے سُلگتے ہوئے کھردرے پر پھیلا دیے ہیں۔ ہر طرف ایک طلسمی دفائرہ مضبوط ہوتا جا رہا ہے.....شعاعوں کے نیزے چاند جیسے جسموں کو پار کر چکے ہیں۔ منجمد آوازیں یک لخت پگھلنے لگی ہیں' اُجالا اپنا لباس تبدیل کر رہا ہے اور.....اور وہی سیاہی، سیاہی کے حکم حاکم بہر حال بجا لانا ہے۔ بچی کھچی خزاں کے رنگ دیواروں، دروازوں، محرابوں، کھڑکیوں اور طاقوں اسپِ وحشی انگارے اُگلنے والوں سُموں کے نشانات چھوڑ گئے ہیں۔ سمٹتی، بکھرتی، اُکھڑتی، سانسوں کا اب نہ کوئی بدن ہے نہ چہرہ.....دیر تک نظریں گڑائے رہنے کے بعد بینائی ایک ہیولے سے ٹکراتی ہے، صرف ہیولے سے.....اور کچھ بھی نہیں، کہیں بھی نہیں۔

دیئے یادوں کے مدھم ہو چکے ہیں....

جو گزرا ہے اسے یکسر بھلا کر
ہم....آنے والے کل کو رو چکے ہیں
سبھی کچھ کھو چکے ہیں....

میں شاید مر چکا ہوں لیکن شاید نہیں' ابھی کہاں! ابھی تو مہیب تنہائی قطرہ قطرہ کر کے مجھے پی رہی ہے......میں سرد ہوں' ایک دم یخ....اور تنہائی نہ جانے کتنی تشنہ ہے' کسی صورت بجھتی نہیں اس کی پیاس۔

اوہ' یہ کیسی آواز ہے....کون ہے یہ؟ یقیناً کسی نے اپنے آنسوؤں کی سرکشی سے شکست قبول کر لی ہے۔ کوئی بھی ہو بہت قریب ہے' بالکل میرے پاس....اُف ....یہ تو میرے اپنے سینے میں چھپا کوئی دھیرے دھیرے گریہ کناں ہے۔ آنسو بہانے والا کوئی اجنبی تو نہیں! نہیں وہ تو آشنا چہرہ ہے۔ یادوں کے خار ذہن کو لہولہان کر کے دل کو پارہ پارہ کرنے لگے ہیں....نہیں نہیں' اب اور زخم نہیں! مجھے اپنے حافظہ کے دروازہ پر ناآشنائی کی تختی لگا لینی چاہیئے' ممکن ہے یوں ہی عذاب میں تھوڑی سی کمی آ سکے۔ اس عذاب میں جو انسانوں پر آدمیوں کا لایا ہوا ہے۔

آج پھر روشنی اداسی کا لباس پہن کر اس بستی میں داخل ہوئی ہے۔

میرے ذہن کی آنکھوں کی پلکیں ٹھہر گئی ہیں۔ ہر سرد لمحے کا احساس میری پیشانی پر تیر جاتا ہے....مجھے معلوم ہے مسلسل جاگنے والی آنکھوں سے خواب روٹھ جاتے ہیں' یہ آنکھیں اسی لیے بے خواب ہیں' اب رہا بھی کیا خواب دیکھنے کے لیے....راکھ کے ڈھیر میں شعلہ ہے نہ چنگاری ہے' دھند ہی دھند ہے اور نیند سے بیزاری ہے۔

اُس صبح' ہاں اس خوشگوار صبح کو جب میں بیدار ہوا تھا تو شگفتگی نے میری نیم باز آنکھوں کو بوسے لیے تھے اور میں نے اس سے کہا تھا' مجھ سے مت پوچھ میرے خواب کی تعبیر ابھی۔ سچ مچ خواب تو دل کو چھو لینے والا تھا' نہ صرف خوبصورت بلکہ جینے کا حوصلہ دینے والا.....اس میں تھا ہی شہر' اس کا شباب اور ہنستے کھیلتے، دوڑتے، بھاگتے، اٹکھیلیاں کرتے انگنت شوخ لمحے اور.....اور وہ سب کچھ جو زندہ ہونے کا احساس دلانے کے لیے ضروری ہوتا ہے....محبت، امن، بے نفسی، ایثار، ہمدردی، بے نیازی، قربانی اور بھی بہت کچھ جو کہ آدمی کو انسان بننے میں معاونت کر سکیں۔

(بقیہ صفحہ 52 پر)

افسانہ

شرافت حسین
Qazipura,Po.Tanda
AmbedkarNagarU.P,224190
Mob:09415910605
0809009512

ہولی کے دن جھنکو چاچا کو اپنے دروازے پر دیکھ کر بنواری لال کا چہرہ کھل اُٹھا۔ وہ انھیں گلے لگانے کے لئے آگے بڑھے لیکن ان کے سفید کرتے کو دیکھ کر رُک گئے کہ وہ خود رنگوں سے بھرے گیلے کپڑوں میں شرابور تھے، بس آداب کے ساتھ ہاتھ ملا کر رہ گئے۔ بولے:

''جھنکو بھیا تم کیسے بچ گئے؟ رنگوں کی ایک بوند بھی نہیں پڑی تمھارے اوپر جب کہ ہولی کا جلوس سڑکوں پر دھما چوکڑی مچائے ہوئے ہیں''۔ میں محلوں کے اندر اندر گلیوں سے چل کر آرہا ہوں۔ مجھ کو رنگ کھیلتے ہوئے لوگ ملے بھی، مجھ پر رنگ ڈالنا چاہا، لیکن ان کے بڑوں نے شاید میری داڑھی دیکھ کر انھیں سختی سے منع کیا۔ لیکن بنواری یہ جوڈی جے بجتا ہے، یہ کتنوں کو کادل کا مریض بنا ڈالے گا۔ سیدھے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ ہل کر رہ جاتا ہے......''

گھر کے باہر بچھی چار پائی پر بیٹھتے ہوئے جھنکو چاچا نے اپنی بات پوری کی۔ سرکار کتنا منع کرتی ہے ڈی جے بجانے سے مگر کوئی مانتا ہی نہیں۔ آج کل کے نوجوان لڑکوں کو بغیر اس کے ناچتے کودنے سے میں مزہ ہی نہیں آتا''۔

جھنکو چاچا اور بنواری لال میں بچپن کی یاری تھی لیکن بنواری لال جب سے شہر کے کنارے گھر بنوا کر رہنے لگے تھے دونوں کا ساتھ چھوٹ گیا تھا۔ کبھی کبھار راہ چلتے ہی ملاقات ہوتی تھی۔ پچھلی ملاقات میں بنواری لال نے ہولی کے دن جھنکو چاچا کو دعوت پر بلا لیا۔

''جھنکو بھیا! نمستے۔'' بنواری لال کی گھر والی دروازے کے باہر آکر کھڑی ہوگئی۔

''آؤ کانتی بھوجی! بہت دنوں بعد بہت دنوں بعد تمھیں دیکھ رہا ہوں، ٹھیک ہو؟'' ''ہاں اور آپ کے گھر میں سب کشل منگل ہے نا؟''

''اب کیا بتائیں بھوجی، کہنے کو تو سب اچھا ہے مگر اس خود غرضی کے گھٹن بھرے ماحول نے جینا دوبھر کر رہا ہے۔ پھر بھی جو تھوڑی بہت زندگی رہ گئی ہے ہنسی خوشی سے کاٹ دینا ہے''۔

''اب تو آپ بھی پوتے پوتیوں والے ہوگئے ہوں گے''؟۔

''ہاں! کیوں نہیں، کبھی آؤ گھر پر تم لوگ بھی، دیکھو ہم لوگ پہلے جیسے ہی ہیں۔ بس وقت نے چہرے پر جھریوں کا جال پھیلا دیا ہے۔ اچھا بھوجی، یہاں آئے تم لوگوں کو کتنے برس ہوئے ہوں گے؟''

کانتی نے گھر کے باہر لگے نیم کے پیڑ پر ایک نگاہ ڈالی، اس کے چہرے پر یادوں کی پرچھائیاں ہویدا ہوئیں۔ بولی:

''اب اچھی طرح یاد نہیں لیکن یہاں آنے کے بعد یہ نیم کا پیڑ لگایا تھا۔ دیکھو کتنا بڑا ہو گیا ہے اور چھتنارہ بھی۔ ان دنوں ننھے ننھے سفید پھولوں سے بھر گیا ہے۔ کچھ دنوں بعد نیم کولیاں آجائیں گی۔ تمھارے بھائی گرمیوں کے دوپہر میں اس کی چھاؤں میں ہوتے ہیں۔''

''اور رات میں؟'' جھنکو چاچا مسکرا رہے تھے۔

کانتی سمجھ گئی جھنکو بھیا اب مسخری کے موڈ میں ہیں، اس لئے خاموش رہ گئی۔ اب اس عمر میں وہ کیا مذاق کرتی۔

بنواری لال نے اپنی کہی....''پوری سبزی ہوگئی ہو تو لاؤ، جھنکو بھیا کے لئے، اور گوجھیا جھنکو بھیا کو بہت پسند ہے۔ ذرا زیادہ لانا۔''

''تم لوگ باتیں کرو، ابھی بہو تازہ پوریاں نکال دے گی۔ سبزی تیار ہے''۔

کہیں دور سے ڈی جے بجنے کی آواز آرہی تھی۔ بیچ بیچ میں یہ آواز شیر کی دھاڑ جیسی بن جاتی۔ جو سماعت پر بری طرح گراں گزر رہی تھی۔

''سن رہے ہو نا جھنکو بھیا! ہمارے زمانے میں بھی ہولی ہوتی تھی، لوگ پھاگن ماہ کا انتظار کرتے تھے۔ بسنت گڑے ہی رات میں پھاگ گائے جانے لگتے تھے۔ ڈھول مجیرے کی آواز کانوں میں رس گھولتی تھی، ہلا گلا نہیں ہوتا تھا۔ یاد ہوگا آپ کو بھی''۔

''اچھی طرح یاد ہے بنواری، اور یہ بھی یاد ہے کہ جب ہولی ختم ہوتی تھی تو پڑوس کی گیت منڈلی ایک ایک گھر کے دوار پر جا کر ڈھولک مجیرے کے ساتھ دعائیہ گیت گاتی تھی۔ جس کے بول رس کی طرح تھے۔

سدا آنند رہے یہ دوارے سوہنا
جییں تو کھلیں پھاگ لال من موہنا

''اس گھر کے لوگ خوش حال رہیں تا کہ اگلے سال بھی ہولی کی

خوشیاں منا سکیں''۔

''ہولی ہے بھئی ہولی ہے''۔دس بارہ سال کے دو تین لڑکے پلاسٹک کی پچکاریوں میں رنگ بھر کر گلی سے نکلے۔وہ ایک دوسرے کے کپڑوں پر مختلف رنگوں کے گل بوٹے بنا رہے تھے۔جھنکو چاچا کو سفید رنگوں میں دیکھ کر ٹھٹک گئے،ان کے اوپر رنگ ڈالنے کی خواہش کو بنواری لال نے بھانپ لیا اور انھیں ڈانٹ پلائی۔

''ہے! خبردار بھاگو یہاں سے''۔

دو لڑکے چلے گئے لیکن ان میں ایک بنواری لال کا پوتا بھی تھا۔وہ بغور جھنکو چاچا کو دیکھنے لگا۔

''دادا جی! کون ہیں یہ؟'' ''یہ بھی تمھارے دادا جی ہیں''۔

''لیکن میں نے انھیں کبھی نہیں دیکھا،یہ تو مسلمان ہیں ، پھر کیسے میرے دادا جی ہوئے؟''

''وہ ایسے بیٹا کہ ہم لوگ پہلے ان کے پڑوس میں رہتے تھے،ہمارے گھر کی دیوار ان کے گھر سے ملی ہوئی تھی۔ جیسے تمھارے گھر کی دیوار ونود کے گھر سے ملی ہوئی ہے،اور بھائی بھائی کی طرح رہتے تھے۔عید، دیوالی، دسہرا، شبِ برات جیسے تیج تہوار مل جل کر مناتے تھے۔ایک دوسرے کے یہاں جا کر کھانا کھاتے تھے غم اور خوشی میں شریک ہوتے تھے۔تب تم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے،تو کیا جانو''۔

''لیکن ہم ہندو ہیں اور یہ مسلمان؟''

''مذہب الگ ہے تو کیا ہوا ہم ایک جیسے انسان تو ہیں۔ بھائی کی طرح کیوں نہیں رہ سکتے؟''

''مسلمان اگر بھائی ہیں تو ایودھیا میں رام مندر کیوں بننے نہیں دیتے؟''

پوتے کی بات سن کر بنواری لال سناٹے میں آ گئے۔ان کے گھر میں کبھی مسلمانوں سے بھید بھاؤ نہیں رکھا گیا تھا۔ ہمیشہ بھائی چارہ بنائے رکھا، پھر بارہ سال کے اس بچے میں کہاں سے یہ زہریلا مادہ آ گیا؟ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔وہ جھنکو چاچا سے شرمندہ تھے اور نظر نہیں ملا رہے تھے۔کسی طرح وہ کھسیانی ہنسی کے ساتھ پوتے سے بولے۔

''بچوا! مسلمانوں نے کہاں روکا ہے رام مندر کو۔ وہ تو سپریم کورٹ عدالت نے روک رکھا ہے اگر مندر نہیں بنا تو کون سی آفت آ جائے گی؟ سیکڑوں سالوں سے وہاں مسجد کھڑی تھی تو کون سی قباحت تھی؟ پھر اسے گرا دیا گیا تو دنیا بھر میں ہماری کون سی عزت بڑھ گئی؟ ہندو مسلمان کا چکر چھوڑ دو بچوا، یہ سب راج نیتی کا کھیل ہے۔تم نہیں سمجھو گے۔ کچھ لوگ اپنے مطلب کے لئے ہندوتو کے نام پر ہمارا سنسکار چھین رہے ہیں۔نئی نسلیں خراب ہو رہی ہیں.....'' کہتے کہتے بنواری لال کا گلا رُندھ گیا۔

جھنکو چاچا بُت بنے بیٹھے رہے، جیسے انھیں سانپ سونگھ گیا ہو۔

☆☆☆

(بے زمینی کا المیہ کا بقیہ)

خواب کل ہے اور تعبیر جُزو......اس لئے اُس صبح میں نے شگفتگی کو تعبیر مان لینے کی خوش فہمی نہیں پائی، کسی کی شمولیت سے بھی باز رہا۔اچھا ہی ہوا۔روح میں نغمگی اُتارنے والے اُس خواب کی روح فرسا تعبیر کون برداشت کر سکتا تھا! وہ بھی نہیں، تم بھی نہیں، کوئی بھی نہیں.....اُداسی کا لباس پہننے والی روشنی کا نزول بہر حال ہونا ہی تھا اور وہ ہو گیا۔اس کی مایوس آنکھیں آہستہ آہستہ سُرخ ہوں گی اور پھر ہمیشہ کی طرح شعلوں میں بدل جائیں گی۔آسمان چھو لینے کی بھرپور کوشش کے بعد دھند ہو کر ماحول کو بے نور کر جائیں گی۔ میں، ہاں میں سوچتا ہوں کہ اس شہر کو چھوڑ دوں....لیکن کہیں کہیں کچھ آشنا چہرے دکھائی دے رہے ہیں۔کیا انھیں چھوڑ کر جانا خود غرضی (جو کہ اس عہد کی شناخت ہے) نہیں ہوگی؟ مجھے یقین ہے کہ اداسی کا لباس پہننے والی روشنی پھر آئے گی اور ان کو بھی اپنی زد میں لے گی۔اب شہر چھوڑنے کا میرا فیصلہ تذبذب کے مراحل سے دوچار ہے۔

اچانک مجھے احساس ہونے لگا ہے جیسے واگر کی کوئی سمفنی چھیڑ دی گئی ہو۔ ہاں میں نے شہر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا.....میں اپنے حافظہ کے دروازہ پر نا آشنائی کی تختی لگا رہا ہوں جیسے واگر کی سمفنی چھڑی ہوئی ہے، موسیقی قطرہ قطرہ میرے کانوں سے گزر کر دماغ میں جمع ہوتی جا رہی ہے.....دماغ، جس نے شہر چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہے!

کیا میں زندہ ہوں؟ کیا اس شہر کو چھوڑ کر میں زندہ رہ سکوں گا؟ کیا میں زندہ رہنا چاہوں گا؟ زندگی کیا ہے، موت کیسی یا کہ سب کچھ فریبِ ہستی ہے!....موسیقی تیز ہوتی جا رہی ہے، سوالات گردش کر رہے ہیں۔موسیقی اور سوالات ایک دم گڈمڈ ہو گئے ہیں ہو گئے....سوالات...موسیقی...سوالات...موسیقی...سوالات...موسیقی... اور صرف گردش۔

میری آنکھیں اتنی پھیل چکی ہیں کہ دونوں کناروں سے خون رسنے لگا ہے۔اب تو ان میں نہ اداسی کا ملبوس پہننے والی روشنی کا عکس ہے نہ ہی شب چہرہ بادلوں کی شبیہہ

فضا خاموش ہے!

فضا خاموش نہیں ہے!!

میں نے فیصلہ کر لیا ہے! میں نے فیصلہ نہیں کیا ہے!!

میں اس شہر کو چھور دوں گا!

میں اس شہر کو نہیں چھوڑوں گا!!

☆☆☆

افسانہ

اقبال سلیم
NO,97,AIWAN-E-THERA.
4THMAIN,8THCROSS,
J.H.B.C.SLAYOUT
J.P.NAGAR POST,
BANGALORE-560111

اک پتّا.......تنہا تنہا

قریب کی مسجد میں اذان کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے کراہ کر کروٹ بدلنے کی کوشش کی مگر اس کی پشت تختہ ہوگئی تھی۔ اس کے زرد اور سُتے ہوئے چہرے پر خون کی ایک بوند تک نہ تھی۔ زندگی میں رونما ہونے والے تلاطم کا خمیازہ اس کے چہرے اور ماتھے پر تہہ بہ تہہ جھریوں، شکنوں اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں کی شکل میں نقش ہو کر رہ گیا تھا۔ سرہانے تپائی پر پڑے ہوئے ڈبل روٹی کے بے شمار ریزوں اور ڈھکے ہوئے گلاس کی تہہ میں دودھ اور شکر کے من وسلویٰ کی رمق کو کالی چیونٹیاں دیوانوں کی طرح چاٹ رہی تھیں۔ وہ دوپہر کو ڈبل روٹی کے چند ٹکڑے حلق سے اُتار کر لیٹی اب مغرب کی اذان سن کر بھی اُٹھ نہیں پائی تھی۔ مغرب کو مانگی جانے والی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ اس نے پڑے پڑے سر پر پلّو درست کر کے اپنے کانپتے ہاتھ دعا کے لیے اُٹھا دئے۔ ’’اے میرے اللہ! اب میں تجھ سے موت کے سوا کچھ نہیں مانگوں گی، بس مجھے اُٹھا لے، اب مزید دُکھ سہنے کی مجھ میں سکت نہیں، یہ صدمے، یہ دُکھ کے انبار، آخر یہ میرے کس گناہ کی سزا ہیں میرے مولا!‘‘

دعا اور شکوے کے دو بول کے سوا اللہ سے کہنے کے لیے اس کے پاس اب رہا ہی کیا تھا۔ اس کی ویران صحرا جیسی آنکھوں سے دو لرزتی کانپتی بوندیں اس کی کنپٹیوں کے کناروں پر ڈھلک گئیں۔

اب کمرے میں کاجل سا بھرنے لگا تھا۔ صبح کی گئی دونوں چڑیاں چھت کے سوراخ میں لوٹ کر ایک دوسرے کو دن بھر کی سرگزشت سنا رہی تھیں۔ وہ کالے رنگ کی تتلی بھی کھڑکی کی راہ سے اندر داخل ہو کر اس کے گرد چند چکر لگانے کے بعد مطمئن ہو کر ایک گوشے میں دیوار سے چمٹ چکی تھی۔ کھڑکی سے آتے ہوئے ہوا کے جھونکے لمحہ بہ لمحہ سرد ہوتے جا رہے تھے۔ اس نے گردن موڑ کر تپائی پر رکھے ہوئے چراغ کو حسرت سے دیکھا۔ خود اس کی حیثیت چراغ سے کیا کم تھی۔ وہ بُجھ چکا ہے۔ یہ ابھی ٹمٹما رہا ہے۔

بجلی صبح سے بند تھی۔ اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ چراغ جلا دے۔ چنی نہیں آئی، اس نے ایک آہ بھر کر سوچا، وہ ہوتی تو چراغ جلا دیتی، پوتا ستا رہا ہو گا۔ گھڑی کی طرح دن بھر لادے پھرتی ہے، بے چاری۔ دو گھڑی بھی اس کے پاس آ بیٹھے تو اس کے لہو کا پارہ چڑھ جاتا ہے۔ اس کی طنز کے زہر میں بجھے ہوئے تیر وہ اپنے سینے میں اس طرح سمو لیتی ہے جیسے وہ اس کا سینہ نہ ہو نرم نرم دلدل ہو۔ اس دلدل سے کوئی آواز نکلتے اس نے نہیں سنی تھی ’’ہم کیا کسی کے بکاؤ غلام ہیں، کسی کا دیا کھاتے ہیں جو دن رات اس کنجوس بڑھیا کے پنڈے سے لگے رہیں۔ ایک چھوکری کو رکھنے کہو تو دم نکلتا ہے۔ کاہے کو رکھیں گے ماں! یہاں ہم بندھوا نوکر جو ہیں‘‘۔

بہو سچ کہتی ہے، چنی بس اس کی کرایہ دار ہے وہ اس کی کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی وہ کسی بندھوا نوکرانی کی طرح اس کی خدمت کرتی آ رہی ہے۔ بندھوا نوکر، باندی، خدمت گار، چنی نہ ہوتی تو وہ اب تک بستر پر پڑے پڑے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئی ہوتی۔ دو برس ہوئے اس نے اپنا آدھا گھر اُسے کرایہ پر اُٹھا دیا تھا۔ اور خود آدھے گھر میں سمٹ سمٹا کر رہتی آ رہی تھی۔ چنی نے اسے بتایا تھا کہ بیاہ کے تیسرے ہی برس اس کے سہاگ کو گہن لگ گیا تھا۔ مرد کے مرتے اس پر زمین تنگ ہو گئی تھی، ساس اُٹھتے بیٹھتے اسے طعنے دیتی تھی کہ وہ منحوس ہے، آتے ہی میرے بیٹے کو کھا گئی۔ ایک دن تنگ آ کر اس نے گھر چھوڑ دیا۔ سوتیلی ماں اور زن مرید باپ نے اسے وداع کر کے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ لہٰذا اُن کا ہاتھ تھامنے کے بجائے اس خوددار عورت نے اپنے پاؤں پر آپ کھڑی ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک جھونپڑا کرائے پر لے کر ایک کارخانے میں بیڑیاں بنانے لگی اور اپنا سب کچھ اپنے سال بھر کے بچے پر تج دیا۔ بھرپور جوانی ہوس کے تیروں کے آگے سینہ سپر ہو گئی تو ساری یلغار اپنی موت آپ مر گئی۔ یہ آپ بیتی سن کر چنی کے روپ میں اسے خود اپنی روح نظر آئی تھی۔ وہ اس کے لیے اپنے دل میں نرم نرم گوشہ محسوس کرنے لگی۔ چنی نے اس کے گھر میں بہو بیٹے اور پوتے کے ساتھ ساتھ رہتے ہوئے اسے کبھی یہ احساس نہ ہونے دیا کہ وہ ایک غیر قوم کی عورت ہے۔ وہ ذات و مذہب کے احساس سے بلند ہو کر قدم قدم اسے سہارا دیتی اور درد بانٹتی آ رہی تھی۔ چند ماہ قبل جب اُس کے گردے جواب دینے لگے۔ وہ بستر سے لگ گئی۔ تو چنی بہو کی طنز کے تیروں کی پرواہ کیے بغیر اس کی تیمارداری کرتے ہوئے اس کے لیے ایک نور ڈھلا ہوا پیکر بن گئی تھی۔

’’اللہ اسے سلامت رکھے‘‘ چنی کے لیے اس کے دل سے دعا نکلی ’’ہاں! ایک

ہی تو ہے چنی، میری ماں، بہن، بیٹی اور سہیلی ہے۔'' اس غیر قوم کی بے آسرا اور بے بس عورت کے لیے اس نے سارے رشتے تج دیے تھے۔ اللہ اسے سلامت رکھے۔''

دفعتاً دروازہ ہلکی سی چر چراہٹ کے ساتھ کھلا، چنی آ گئی تھی۔ اس نے چراغ جلایا تو کمرے میں ہلکا ہلکا اُجالا پھیل گیا۔ ''ماں جی! مجھے ذرا دیر ہو گئی، کیا کروں، پوتا صبح سے رو رہا تھا، نظر ہو گئی ہے۔ ابھی ابھی مسجد گئی تھی دم کروانے، اب ذرا سو گیا ہے تو آ گئی ہوں۔ تم ابھی تک ایسے ہی پڑی ہو؟ ہے رام! رات ہونے کو آئی''۔

اس نے اُسے سہارا دے کر دیوار کے سہارے بٹھا دیا۔ ''روٹی سینک دوں؟''

وہ محبت و مروّت کے رس گھولنے والے یہ بول سنتی اور مسحور ہوتی رہی۔

''مجھ سے اب کچھ بھی کھایا نہ جائے گا چنی''۔

''ڈبل روٹی کھاتے کھاتے میرا جی اوب گیا ہے، اب مجھے قے ہو جائے گی''۔

''تو کیا بھوکی سوؤ گی! ہے رام، دوپہر کے بچے ہوئے ٹکڑے ہی سینک دیتی ہوں، دودھ سے کھا لو۔ صبح آ کر کھچڑی بنا دوں گی۔ پودینے کی چٹنی بھی بنا دوں گی رات میں، بھوکی سوؤ گی تو اور کمزور ہو جاؤ گی۔ رام کرے جلدی اچھی ہو جاؤ''۔

''اچھا کھا لوں گی، اللہ تجھے خوش رکھے چنی۔ جتنا سکھ تو نے مجھے دیا ہے اس سے دُگنا سکھ اللہ تجھے دے''

اور گولیاں!'' وہ بھی کھا لوں گی، مجھے ذرا سہارا دو، میں اُٹھوں گی''۔

چنی کے سہارے باتھ روم سے لوٹ کر بستر پر بیٹھنے کی کوشش میں گرتے گرتے بچی۔

''آہ چنی! اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اب میرا وقت پورا ہو چکا ہے، میں اب زیادہ دیر نہیں جیوں گی''۔

''ماں جی!''۔ چنی کا دل بھر آیا ''کیوں بد فال منہ سے نکالتی ہو، گولیاں برابر کھاؤ گی تو جلد اچھی ہو جاؤ گی' یاد کرو ڈاکٹر نے کیا کہا تھا۔ اچھا تم بیٹھو میں ابھی روٹی سینک دیتی ہوں، گولیاں بھی کھلا دوں گی''۔

وہ روٹی اور گولیاں کھلا کر اور تسلّی دے کر باہر سے دروازہ بھیڑ کر چلی گئی تو وہ خود بھی بستر پر دراز ہو گئی۔

گھڑی بارہ بجائے تو وہ چونک پڑی۔ ماحول پر گہرا سناٹا مسلط تھا، چھت کی سوراخ میں چڑیوں کی جگ بیتی بھی ختم ہو چکی تھی۔ اس نے ہاتھ پھیلا کر چراغ گل کر دیا تو رہے سہے اُجالے کو اندھیرے نے نگل لیا۔ اب اس کی ویران آنکھیں اندھیرے کو تک رہی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان اندھیرے خلاؤں میں یادوں کی جگ مگ کرتی کہکشاں سی سجتی چلی گئی۔ اُفق پر تیس برس قبل کا وہ زمانہ بدلیوں سے چاند کی طرح اُبھر آیا۔

تیس برس پہلے دنیا تو ایسی نہیں تھی، اس چمن میں کانٹے نہیں تھے، مسائل کے اژدھے نہیں تھے، اس چمن میں تو سکون کی مہکتی ہوئی بہار تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ بہار کبھی نہ ختم ہونے والی خزاں کی چاپ سن رہی ہے۔ ایک وقت آئے گا جب اس کا وجود اس خزاں رسیدہ چمن کے ایک درخت سے آخری پتے کی طرح ہو جائے گا، زرد اور خشک اور لرزاں ایک پتہ، تنہا تنہا۔

یادیں تو سکھیاں ہوتی ہیں، جو تنہائی کے جاں گسل اندھیروں میں چراغ جلا جاتی ہیں۔ دفعتاً تنہائی کے اس اندھیرے میں یاد کا ایسا ہی ایک چراغ جل اُٹھا اور ممتاز کا سراپا کسی شہاب ثاقب کی طرح ٹوٹ کر اس کے ذہن سے آ ٹکرایا۔ اسے اپنی سہاگ رات یاد آئی جب ممتاز نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا تھا ''ریحانہ! میں آج خود کو دنیا کا سب سے خوش قسمت انسان تصور کر رہا ہوں، تمھارے چہرے سے پھوٹتا ہوا نور میری روح کی گہرائیوں میں اُجالا کئے دے رہا ہے۔ میں اپنے چمن کی اس بہار کو دیکھ رہا ہوں جس کا مجھے شدّت سے انتظار تھا''۔

ممتاز نے غلط نہیں کہا تھا۔ اگلے ہی برس سلطانہ نے اُن کی محبت کی یادگار کی شکل میں جنم لیا مگر ممتاز کو شاید معلوم نہ تھا کہ بہار سدا بہار نہیں ہوتی۔ اس کی پشت پر خزاں ہوتی ہے جو دبے پاؤں چلی آتی ہے۔ یہ زندگی کی خوشیاں سرائے کے مسافروں کی طرح ہوتی ہیں جو ملتی ہیں اور بچھڑ جاتی ہیں۔ خوشی کی دولت تو روزِ ازل اللہ میاں کے یہاں بندوں کو تُل کر ملتی ہیں اور اسے ہیرے جواہرات کی طرح صندوقوں میں بند کر کے رکھا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ اس بہار کو خزاں نے نگل لیا۔ شادی کو پانچ برس ہوئے تھے کہ ایک شام سفید چادر میں ڈھکا ہوا ممتاز کا بے جان جسم برآمد میں لا کر لوگ رکھ گئے۔ دفتر سے اسکوٹر پر گھر آتے ہوئے ایک تیز رفتار ٹرک نے اسے موت کا نوالہ بنا دیا تھا۔ لوگ خاموش کھڑے اسے تک رہے تھے۔ وہ منہ سے کچھ بولے، روئے، چیخے چلاّئے، مگر شاید اس کی قوتِ گویائی ختم ہو چکی تھی' اس کی آنکھوں کے کنوؤں میں آنسو نام کی کوئی بوند نہ تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ کسی کٹی ہوئی شاخ کی طرح ممتاز کے بے روح جسم پر گر پڑی تھی۔

اب وہ سلطانہ کے ساتھ اتنی بڑی دنیا میں تنہا رہ گئی۔ سلطانہ کو اس کی اور ممتاز کی محبت کی چار سالہ یادگار، اسے ممتاز سے ایک گھر کے سوا کچھ نہ ملا تھا۔ ممتاز کے حاتمی مزاج کا اس کے بھائیوں نے خوب فائدہ اُٹھایا تھا۔ وہ جونکوں کی طرح اسے اس وقت تک چوستے رہے تھے جب تک اسے قبر میں دبا نہیں دیا گیا۔ وہ آئے اور مگر مچھ کے آنسو بہا کر چلے گئے، کبھی پلٹ کر نہ پوچھا کہ اس کے پسماندگان پر کیا گزر رہی ہے۔ وہ ہر طرف سے مایوس ہو کر ایک اسکول میں پڑھانے لگی۔ پھر اس کی ذات کسی سیّارے کی طرح متحرک ہو گئی اور اس وقت تک نہ رُکی جب تک کہ سلطانہ نے ڈاکٹر بن کر اپنا ذاتی کلینک نہیں کھول لیا۔ اب اسے اس کی شادی کی فکر نے آ گھیرا۔ بڑی تلاش و جستجو کے بعد اس نے اس کے لیے ایک سافٹ ویر انجینئر کا انتخاب کیا۔

وقت کی ہوا زندگی کی کتاب کے اوراق الٹتی رہی۔ دن بظاہر سکون سے گزرتے رہے پھر سلطانہ کی آنکھوں میں اُبھرنے والی اُداسی کے سائے اسے کاٹنے لگے۔ ایک دن اس کے اصرار پر اس نے بتایا کہ ظہیر نہایت خود غرض اور حریص

آدمی ہے۔ وہ اس پر نہ صرف مزید جہیز لانے کے لیے ظلم ڈھا رہا ہے بلکہ یہ دباؤ بھی ڈال رہا ہے کہ ہر ماہ اپنی بے سہارا ماں کو دینے والی دو ہزار کی رقم بند کردے۔

یہ سن کر اس کے سارے وجود میں کانٹے بھر گئے۔ اس نے اپنے سینے پر صبر کی سِل رکھتے ہوئے سلطانہ کو مشورہ دیا کہ وہ ظہیر کی بات مان جائے مگر مزید جہیز کے مطالبے کی تکمیل کا کوئی راستہ اسے نظر نہ آتا تھا۔ اپنی عمر بھر کی پونجی اس نے سلطانہ کو بنانے سنوارنے میں صرف کردی تھی۔

ایک شام ظہیر تنہا اس کے پاس آیا۔ وہ کافی پریشان معلوم ہوتا تھا، اس نے بتایا کہ ''سلطانہ اسٹوبھ سے بُری طرح جھلس گئی ہے وہ اسے اسپتال میں داخل کرآیا ہے''۔

اسپتال میں سلطانہ موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ اس نے تنہائی میں بمشکل اتنا ہی بتایا کہ ایک جھگڑے کے دوران ظہیر نے اسے مٹی کا تیل چھڑک کر جلایا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ پولیس کے سامنے کوئی بیان دے وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی۔ اس نے نیم دیوانگی کے عالم میں پولیس کو سلطانہ کا بیان سنایا اور یہ بھی کہا کہ گھر میں کوئی اسٹوبھ نہیں تھا۔ یہ سراسر جہیز ہراسانی کا کیس ہے مگر کسی نے اس کا نوٹس نہیں لیا اور اسے اتفاقی حادثہ بتا کر کیس بند کردیا گیا۔ وہ دربدر بھٹکتی اور فریاد کرتی رہی۔ اس نے اپنے حلقے کے ممبر اسمبلی سے مدد کی بھیک مانگی مگر بے سُود۔ پھر کسی کے بتانے پر وہ انسداد جہیز ہراسانی مظالم کمیٹی کے آگے پیش ہوئی اور بیان دیا۔ اس پر اسے بتایا گیا کہ وہ اپنا بیان کنٹری زبان میں تحریر کرکے لائے۔ اس سلسلے میں وہیں موجود ایک مسلمان خاتون ممبر سے رجوع کرنے کو بھی کہا گیا جو دیر سے اس کا بیان سن رہی تھی مگر اس نے اس کی درخواست مسترد کردی۔ یہ وہی لوگ تھے، سیاسی بھکاری جنہوں نے عوام کے ووٹوں کی خیرات کے بل پر خود کو زندہ رکھا اور اقتدار کی کرسی حاصل کی تھی لیکن آج اقتدار کے نشے میں وہ انہیں پہچان بھی نہیں پارہے تھے۔ جنہوں نے انہیں ووٹوں کی بھیک دی تھی۔

جب اسے یقین ہوگیا کہ اسے انصاف کہیں نہیں مل سکتا تو اس کی کمر ٹوٹ گئی، اس کی صحت بتدریج متاثر ہونے لگی، وہ اب اتنی بڑی دنیا میں خود کو تنہا محسوس کررہی تھی۔ خزاں رسیدہ درخت کے آخری پتے کی طرح، یکتا وتنہا۔ پھر اسے گُردوں کی خرابی کے موذی مرض نے آلیا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ اس کے دونوں گُردے جواب دیتے جارہے ہیں تو اسے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ وہ دل سے چاہتی بھی یہی تھی کہ اللہ کسی بہانے اسے اس دنیا سے اُٹھالے۔ اب وہ چھ ماہ سے بستر سے لگی اپنی باری کی منتظر تھی۔ اس کی علالت کی خبر اس کے دونوں دیوروں تک بھی پہنچی جو اپنے بھائی کے مرتے آخر شب کے تاروں کی طرح غائب ہوگئے تھے۔ ایک دن وہ اس کی عیادت کو آئے، مزاج پُرسی کی، افسوس کا اظہار کیا، آخر میں چلتے چلتے یہ بھی کہا ''اب جب کہ اس کا وارث نہیں ہے، لہٰذا اپنے وصیت نامے میں یہ گھر اُن کے نام کردے''۔ یہ ابن الوقتی کی انتہا تھی۔ اس کا جی چاہا کہ اُن کے منہ پر تھوک دے مگر ضبط کرگئی اور خاموش ہورہی۔

دفعتاً اس کی خوابیدہ آنکھوں تلے سجی یادوں کی کہکشاں دُھندلا گئی۔ بستر پر پڑے پڑے اسے اپنے اندر سے کوئی جوار بھاٹا سا اُٹھتا ہوا محسوس ہونے لگا اور سارا جسم پسینے میں شرابور ہوتا چلا گیا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کا ذہن تاریک خلاؤں میں ڈوبتا چلا گیا، دیکھتے ہی دیکھتے وہ بے حس وحرکت ہوگئی۔

اگلی صبح چنی نے دروازہ کھولا تو وہ معمول کی طرح اپنے بستر پر خاموش پڑی چھت کو تک رہی تھی۔ چنی نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا جو وہ برف کی طرح ٹھنڈا تھا اور سینہ کسی گہرے سمندر کی طرح خاموش تھا۔

''ماں جی!'' چنی نے گھبرا کر اُسے جھنجھوڑا ''اُجالا ہوگیا ہے اُٹھ کر منہ ہاتھ دھولو۔ لیکن میں پانی لاتی ہوں کھچڑی بنادوں گی اور چٹنی بھی، پودینہ لیتی آئی ہوں''۔

مگر اس کی نیند نہیں ٹوٹی، وہ ابدی نیند سو رہی تھی۔ چنی کی چیخ نکل گئی، مغرب کو مانگی ہوئی دعا قبول ہوچکی تھی۔ خزاں رسیدہ درخت کا آخری پتہ بھی ٹوٹ کر نیچے گر گیا تھا۔ اب اس کے گرد بھیڑ اکٹھا ہونے لگی۔ لوگ افسوس کے بول کے دوران اس کے گُن گا رہے تھے۔ اُس کے آخری دیدار کے لیے آنے والوں میں ایک وکیل صاحب بھی تھے وہ اس کے جسد خاکی کے قریب چند منٹ خاموش کھڑے اُسے خاموش عقیدت پیش کرنے کے بعد لوگوں کی طرف مڑے ''آپ شریمتی چنّما دیوی عرف چُنّی کون خاتون ہیں؟

چُنّی نے چونک کر حیرت سے اُن کی طرف دیکھا اور ساڑی کے پلّو سے آنکھوں آنکھیں صاف کرتے ہوئے جواب دیا ''میرا ہی نام چُنّی ہے''۔

وکیل صاحب نے اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا ''مرحومہ ریحانہ بیگم نے مدت ہوئی اپنا وصیت نامہ میرے پاس محفوظ کیا تھا، انہوں نے اپنی موت کے بعد کفن ودفن کی ذمہ داری بھی سونپی ہے۔ بینک میں ان کی پچاس ہزار سے بھی زائد رقم جمع ہے۔ تدفین کے اخراجات سے جو رقم بچے وہ ان کی ہدایت اور خواہش کے مطابق ساری رقم اس یتیم خانے کو دے دی جائے گی جہاں انھوں نے پرورش پائی تھی۔ اب رہا ان کا یہ گھر تو وہ سارے کا سارا اپنی باہمت، حوصلہ مند، بےغرض اور دردمند مُنہ بولی بہن شریمتی چنّما دیوی عرف چُنّی کے نام کرگئی ہیں۔ اب وہ قانونی طور پر اس کی بلاشرکت غیرے واحد وارث ہوں گی۔

مجمع پر سناٹا چھا گیا اس سناٹے میں صرف چُنّی کی لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی ہوئی سسکیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں، جو اپنے منہ میں پلّو ٹھونسے کسی بچے ہی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔

وکیل صاحب اس کی طرف پُرتحسین اور شفقت آمیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اُن کے لبوں پر یہ مصرع تھا:

؎ وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے☆☆☆

افسانہ

حنیف سیّد
۳۴ / ۱۲۔سوئی کٹرہ۔
آگرہ ۲۸۲۰۰۳۔(یو،پی)۔انڈیا.
Mob...No..09319529720

باغی رُوحیں

کرخت اور ہیبت ناک آواز،جس سے ساتوں طبق تھرّا گئے تھے۔ایسی بلند آواز آج تک نہ سنائی دی تھی کبھی۔جس سے فرشتوں کے حواس باختہ تھے، جیسے: قیامت آئی ہو۔ایک قہر ہوا ہو نازل ،جس کا ردِّعمل فرشتوں میں صاف دکھائی دے رہا تھا۔وہ سراسیمگی کی حالت میں اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔بار بار سجدوں میں گر رہے تھے۔حالاں کہ وہ جانتے تھے کہ یہ اُن کے معبودِ حقیقی کی آواز ہے اور اُنھیں بار گاہِ الٰہی میں طلب کیا گیا ہے، چوں کہ آواز میں بے انتہا طیش تھا،لہٰذا اُس جبّار و قہّار کے روبہ روپیش ہونے کی ہمت نہ تھی کسی میں۔

آواز، روحانی وجود کو مسلسل دہلائے جارہی تھی۔حکم عدولی کی گنجایش نہ پا کر فرشتوں نے بہ دِقّت حواس مجتمع کیے، پھر گھبرایے اور سہمے ہوے، یکے بعد دیگرے بارگاہِ الٰہی میں جمع ہونے لگے۔

’’بر بریت، کیوں چھا گئی ہے دنیا میں...؟ شیطانیت کا بول بالا ہے کیوں اِس قدر...؟ درندگی، کیوں بڑھ گئی ہے اتنی؟ موالید ثلاثہ کا نظام برہم کیوں ہوتا جارہا ہے اتنا...؟‘‘غیب سے آواز آئی۔

’’میرے رب.....!یہ سب، دنیا میں انسانوں کی بہ نسبت حیوانوں کی تعداد بڑھ جانے کے سبب ہے۔‘‘ایک فرشتے نے ہمّت جمع کر کے بتایا۔

’’کیوں...! آخر کیوں بنادِیے اِتنے حیوان.....؟‘‘

’’ہم مجبور ہیں، میرے رب....!‘‘ کئی فرشتے ہمّت جمع کر کے ایک ساتھ بولے۔

’’مجبور...! ہے کیا مجبوری تمھاری...؟‘‘ آواز میں طیش تھا۔

’’اے خالقِ کائنات...! ہم اُتنی ہی رُوحوں کو وجود دیتے ہیں جتنا کہ تیرا حکم ہے۔‘‘فرشتے بولے۔

’’تو حیوانوں کی بہ نسبت انسانوں کو وجود کیوں نہیں دیتے...؟‘‘

’’انسانی وجود میں رُوحیں جانے سے انکار کر رہی ہیں،میرے آقا...!‘‘ سب فرشتوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔’’انکار...! آخر کیوں....؟‘‘

’’رُوحیں،حیوانی وجود پسند کر رہی ہیں۔‘‘

’’کیا تم نے اسباب دریافت کیے اُن سے...؟‘‘

’’کیے،میرے آقا...!‘‘ ’’تو پھر...؟‘‘

’’رُوحوں کی کچھ پرابلمز ہیں،میرے معبود...!‘‘فرشتوں نے سر جھکا کر بڑے ادب سے بتایا۔

’’پرابلمز ....!وہ کیسی پرابلمز ہیں جو انسانی وجود کے بجائے حیوانی وجود پسند کر رہی ہیں رُوحیں....؟‘‘

’’ہاں،غفور الرّحیم...! مگر ہے یہی سچ۔‘‘

’’رُوحوں کو پیش کیا جائے...!‘‘ خالقِ دو جہاں کا حکم ہوا اور فرشتوں نے رُوحیں پیش کردیں۔

’’انسانی وجود پسند کرنے والی رُوحیں،مشرق میں اور حیوانی وجود پسند کرنے والی، مغرب میں کھڑی ہو جائیں...!‘‘ رب کا حکم ہوا اور ساری کی ساری رُوحیں،مغرب میں پہنچ گئیں۔

’’احسان فراموش رُوحو..!تم انسانی وجود میں داخل ہونا کیوں نہیں چاہتیں...؟‘‘رب نے سوال کیا۔

’’بس....!نہیں چاہتے۔‘‘رُوحوں نے جواب دیا۔

’’آخر کیوں...؟‘‘

’’ہم انسانی وجود میں نہیں جائیں گے، چاہے ہم کو ابھی جہنّم میں کیوں نہ ڈال دیا جائے۔‘‘رُوحیں،ایک ساتھ بولیں۔

’’ہم نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر دنیا میں بھیجا ہے، وہاں اُن کے لیے ساری نعمتیں مہیّا کی ہیں۔‘‘

’’ہم نہیں چاہتے اشرف المخلوقات بننا۔‘‘

’’کیوں کیوں...!ایسا کیوں ہے....؟ہم جاننا چاہتے ہیں۔‘‘معبودِ حقیقی نے دریافت کیا۔

’’ہم دنیا سے آئے اشرف المخلوقات سے ملے ہیں،اُن کے احوال سنے ہیں،ہم سب نے۔‘‘

’’کیا بتایا ہے...؟ اُنھوں نے۔‘‘

’’اُنھیں سے دریافت کرلیا جائے، میرے رب...!‘‘

’’فرشتو...! دنیا سے آئی ہوئی رُوحوں کو پیش کیا جائے...!‘‘ حکم ہوا اور فرشتوں نے چیختی، چلّاتی، بدحال روحوں کو حاضر کردیا۔

’’اے احسان فراموش رُوحو...! ہم نے تمھارے لیے آسمان بنایا، زمین بنائی، سبزے اُگائے، پھول پھل، رنگ و بو، آگ، پانی اور ہوا جیسی بہت ساری نعمتیں پیدا کیں ہیں، دنیا میں۔‘‘

’’اے علیم و خبیر..! مجھ کو تو کچھ بھی نہ دکھائی دیا دنیا میں۔‘‘ ایک رُوح نے آگے بڑھ کر جواب دیا۔

’’ فرشتو...! کیا تم نے اِس کی آنکھیں نہیں بنائی تھیں...؟‘‘ خالق نے فرشتوں سے دریافت کیا۔

’’بنائی تھیں، میرے آقا...! سبھی کچھ بنایا تھا اِس کا۔‘‘ ایک فرشتے نے آگے بڑھ کر جواب دیا۔

’’تو کیا یہ رُوح، جھوٹ بول رہی ہے...؟‘‘

’’نہیں میرے آقا...! یہ سچ بول رہی ہے۔‘‘

’’آنکھیں ہونے کے باوجود دکھائی نہیں دیا اِس کو۔ آخر کیوں....؟‘‘ خالق نے دریافت کیا۔

’’اے دانائے راز....! جب اِس رُوح کا دنیا میں جانے کا وقت آیا اور ہم نے اِس کو انسانوں کے جسموں کے روبہ رو کیا، تو اِس نے ایسے ماں باپ کے درمیان اپنی شکل اختیار کی جو نہایت نیک، صالح، عابد، ایمان دار اور پرہیز گار عراقی باشندے تھے۔ جو امریکا کی بم باری سے خائف ایک غار میں چھپے تھے، بھوکے اور پیاسے۔ ایک دن اُسی غار کے دہانے پر ایک طاقتور بم پھٹا اور اِس کی والدہ کے ساتھ اِس کا بھی کچّا انسانی وجود ٹکڑوں کی شکل میں بکھر گیا۔ پھر یہ گھائل رُوح، اپنے ٹکڑوں سے لپٹ لپٹ کر تڑپتی رہی، بلکتی رہی اور اِس کا جسم؛ چیلوں، کوّوں، کُتّوں، کیڑوں اور مکوڑوں کی خوراک بن گیا۔ اے میرے رب...! اِس پاک رُوح کی تیری مخلوق سے نہ تو کوئی دوستی تھی وہاں، اور نہ ہی کوئی دشمنی۔ اِس کو وہاں ظلم کے سوا کسی بھی شے کا احساس نہ ہوا۔ میرے آقا...! دنیا سے آئی ہوئی ایسی لاتعداد رُوحیں ہیں، جن کے احوال اِن سے بھی زیادہ دردناک ہیں، جن کو سُن کر عالمِ ارواح کی ساری رُوحیں، دنیا میں جانے سے انکار کر رہی ہیں۔‘‘

’’میں انکار نہیں کر رہی ہوں، میں تو دنیا میں ہی رہنا چاہتی ہوں۔‘‘ ایک رُوح بہشت سے چیخی۔

’’یہ کیسی بد رُوح ہے جو ہماری بہشت کی نعمتیں ٹھکرا کر دنیا میں واپس جانا چاہتی ہے....؟‘‘ معبودِ حقیقی نے فرشتوں سے دریافت کیا۔

’’رب العزت...! اِس رُوح نے بہشت میں اُودھم مچا رکھا ہے۔ بہشت کی ساری نعمتوں کو نظر انداز کر رہی ہے یہ۔‘‘ فرشتوں نے بتایا۔

’’اُس رُوح کو پیش کیا جائے......!‘‘ حکم ہوا اور فرشتوں نے فوراً اُس رُوح کو پیش کردیا۔

’’اے احسان فراموش رُوح...! تو چاہتی کیا ہے...؟‘‘ رب نے رُوح سے دریافت کیا۔

’’دنیا میں واپس جانا اور وہیں رہنا۔‘‘

’’آخر کیوں...؟‘‘

’’مجھ کو تیری دنیا میں وہ عیش و عشرت میسّر تھے، جو تیری بہشت میں نہیں۔‘‘ رُوح نے جواب دیا۔

’’کیا کہا...؟ ہماری بہشت میں وہ عیش و عشرت نہیں ہیں، جو دنیا میں میسّر تھے، تجھ کو...؟‘‘

’’جی ہاں...!‘‘

’’کیا کیا عیش میسّر تھے تجھ کو وہاں ...؟ اے بد عقل رُوح...!‘‘ خالق نے رُوح سے دریافت کیا۔

’’بس، عیش ہی عیش...!‘‘

’’وضاحت کر...!‘‘

’’وہاں میری ہر آرام و عشرت کا خیال رکھا جاتا تھا۔ دنیا کی ساری نعمتیں، ڈنلپ گدّوں پر ہی میسّر تھیں مجھ کو۔ میری ذرا سی اُداسی پر دنیا کے بڑے سے بڑے ڈاکٹرز میرا چیک اَپ کرنے میرے گھر آتے تھے، دنیا کے ہر انسان کو نہانا، دھونا، کھانا اور پینا خود اپنے ہاتھ سے ہی کرنا پڑتا ہے، لیکن میری ہر ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ڈاکٹرز اور نرسز مہیا تھیں۔ میں دنیا کے کونے کونے میں گھومی، جہازوں سے فضا میں اُڑی، جہاں بھی رہی لوگوں کی گودوں میں رہی۔ ایر کنڈیشنز کمروں میں زندگی گزاری۔ یہاں ہے کیا...؟ ایک جہاز تک تو ہے نہیں، تیری اِس بہشت میں۔ میں، یہاں رہ کر کروں گی کیا...؟ مجھ کو وہیں پہنچا دیا جایے۔‘‘

’’دیکھو... ! میری عزیز رُوحو! دیکھو..! اور سمجھو...! جس دنیا میں ساری نعمتیں میسّر کی ہیں ہم نے، اُسی دنیا میں نہ جا کر جہنّم کی آگ میں آخر کیوں جلنا چاہتی ہو تم سب...؟‘‘ بدحال رُوحوں سے خطاب ہوا۔

’’دنیا میں جانا تو چاہتے ہیں، لیکن انسانی جسم میں نہیں۔‘‘ رُوح نے برجستہ جواب دیا۔

’’تو کیا، تُو انسانی جسم میں نہیں تھی تو وہاں...؟‘‘ بہشت سے لائی گئی رُوح سے رب نے دریافت کیا۔

’’جی نہیں...!‘‘

تو کس جسم میں تھی تُو....؟‘‘

’’حیوانی جسم میں۔‘‘

’’کس حیوانی جسم میں....؟‘‘

کُتّے کے جسم میں۔‘‘

’’کُتّے کے...! کس کے کُتّے کے...؟‘‘

’’بُش کے کُتّے کے جسم میں۔‘‘ رُوح نے بتایا اور خالق نے سب سے بھیانک جہنّم تیار کرنے کا حکم صادِر کردیا۔

☆☆☆☆☆

غـــــزلیـــــات

یونس عاصم

Dhenkanal(Odisha)
Mob:9090156995

ہے جیسے نغمہ سرا دیکھو آبشارِ غزل
ہوائے تند کی مانند بے قرار غزل
کسی بھی فہم کے سانچے میں ڈھال دو اس کو
دکھائی دے گی تمہیں ایک شاہکار غزل
کوئی بھی آنکھ نہیں ایسی جو کہ دیکھ سکے
سماعتوں کے دریچے کی ہے سنگار غزل
ہر ایک چہرے پہ پھولوں کی تازگی آئی
جو انجمن میں چلی بن کے نو بہار غزل
ادب کے حسن پہ تنقید کرنے والوں کو
دکھایا کرتی ہے چہرہ یہ شیشہ دار غزل
مثال اس کی زمانے میں کون دے عاصمؔ
خلوص و مہر کی خوشبو کی ہے بہار غزل

حمید عکسی

H,No:14-6-39,Nizampura
MandiBazar.Warangal-506002
(T.S)

عجب شانِ امارت ہم درونِ خانہ رکھتے ہیں
"فقیری میں بھی اپنی ہر ادا شاہانہ رکھتے ہیں"
کبھی دھوکا نہ کھا جائیں کسی سے زندگانی میں
پرکھنے کے لیے ہم عقل کا پیمانہ رکھتے ہیں
کہ دشمن بھی ہمارے سامنے آنے سے ڈرتا ہے
ہم اپنے آپ میں جو ہمتِ مردانہ رکھتے ہیں
مزاجِ عاشقانہ ہم نے پایا ہے لڑکپن سے
یہ سچ ہے اپنے سینے میں دلِ دیوانہ رکھتے ہیں
غزل پڑھ کر ہماری جان جاؤ گے ہمیں عکسیؔ
ہم اپنے شعر میں دل کا ہر اک افسانہ رکھتے ہیں

جلیل نامی

H.No:12-6-1237/908,NearSiddappa
Hotel.LBSNagar.Raichur-584102
Mob-7859386277

دوستوں سے کبھی جدا نہیں ہوتا
میں کسی سے خفا نہیں ہوتا
آپ کی خامیاں بتایے جو
آدمی وہ برا نہیں ہوتا
درد بھی، زخم بھی، نئے غم بھی
عشق اس کے سوا نہیں ہوتا
شام تیری ہے، صبح تیری ہے
ایک میرا بھلا نہیں ہوتا
زندگی اور موت میں اے دوست
تھوڑا بھی فاصلہ نہیں ہوتا
ہاتھ کیسے ملاؤں رخصت کا
"ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا"
ہم تو ہیں راضی بہ رضا نامیؔ
ہم سے راضی خدا نہیں ہوتا

التمش طالب

TipuSutanRoad.Barkatpura
NearMasjidMadinaMunauwra
Nanded-431604(m.S)
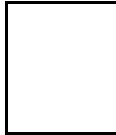
نہ تلوار خنجر نہ بم جانتے ہیں
قلم کے سپاہی قلم جانتے ہیں
تکبر، بخیلی، تعیش پسندی
امیروں کی فطرت کو ہم جانتے ہیں
لڑاتے ہیں جو سب کو آپس میں اکثر
کچھ ایسے بھی فتنوں کو ہم جانتے ہیں
پرکھوں نے چھوڑا ہے جو اپنے پیچھے
ہم ان کے ہی نقشِ قدم جانتے ہیں
نظر دوسروں پہ جو رکھتے ہیں طالب
وہ خود اپنے بارے میں کم جانتے ہیں

یوسف آزاد

ZilaParishadSchoolNo-2
Kagzipura.P.O:Erandol
Dist:Jalgaon-425109(M.S)

تو جس سے دل لگانا چاہتا ہے
وہی تجھ کو مٹانا چاہتا ہے
اگلتا ہے جو شعلے نفرتوں کے
اسی کو یہ زمانہ چاہتا ہے
سمجھتا ہے جسے تو دوست اپنا
وہ تجھ کو آزمانا چاہتا ہے
ہزاروں سر ہیں دیوانوں کے حاضر
جو تو مقتل سجانا چاہتا ہے
سکوں آرام گھر کا چھوڑ کر کیوں
تو میرے ساتھ آنا چاہتا ہے
میں ابھروں گا اسی شدت سے آزاد
تو جتنا بھی دبانا چاہتا ہے

حافظ فیصل عادل

2/159,NearFoodVillage
R.C.R.Road.Injambakkam
Chennai-600115

اب کے دیکھے گا تو بخشے گا نہ خنجر مجھ کو
پھر بنایے نہ نشانہ وہ ستمگر مجھ کو
سچے محبوب کی خواہش یہ نہیں ہو سکتی
پیار ہے سچ تو دکھا جان سے جا کر مجھ کو
پاس آئے گا تو ممکن ہے بدل دے گا خیال
جو سمجھتا ہے بہت دور سے پتھر مجھ کو
مجھ کو تنہائی میں لگتا نہیں تنہا ہوں میں
میرے ہونے کا خیال آتا ہے اکثر مجھ کو
وہ اگر روٹھے تو اک پل میں منا لیتا ہوں
کیسے راضی کروں معلوم ہے منتر مجھ کو
جب ہیں سرگرمیاں افراط سے عادلؔ اب کے
اپنی سردی سے ڈرایے نہ دسمبر مجھ کو

سید اسلم صدا آمری

H.No:324,MaroofSahebStreet
Chennai-600002(T.N)
Mob-9444752605

جہاں کہیں بھی یہ اہلِ شعور رہتے ہیں
وہاں کچھ عقل کے دشمن ضرور رہتے ہیں
سوادِ شہرِ انا میں ضرور رہتے ہیں
انا پرستوں سے ہم دور دور رہتے ہیں
خدا نے جن کو عطا کی ہے دولتِ عرفاں
خودی کی مستی میں وہ چور چور رہتے ہیں
جہاں میں رہتے ہیں یوں تیرے چاہنے والے
قفس میں جیسے کہ سارے طیور رہتے ہیں
خدایا میری طلب کا یہاں نہیں ساماں
یہاں تو شائقِ غلمان و حور رہتے ہیں
صدا وہ رہتے ہیں ہر وقت حاضر و ناضر
تو ہم بھی گویا انھیں کے حضور رہتے ہیں

شاہنواز انصاری

Moh:Mhetoana.Machlishaher
.Jaunpur(U.P)
Mob-7398506948

دل میں کسی نگاہ کی برچھی اتر گئی
جیسے کہ کاٹتی ہوئی قلب و جگر گئی
کوئی وفا شعار نہ اب تک مجھے ملا
شہرِ وفا میں میری جوانی گزر گئی
دل میں وہ درد ہے کہ تڑپتا ہوں رات دن
تیری نگاہِ ناز عجب کام کر گئی
واللہ تیرے حسنِ تصور کے فیض سے
تجھ کو ہی دیکھتا ہوں جہاں تک نظر گئی
ناکام ہو کے رہ گئی سب سعی و جستجو
جو بھی دعا کی میں نے وہی بے اثر گئی
آمد نہ آپ کی ہوئی صحنِ چمن میں آج
محروم دید ہو کے نسیم سحر گئی
دل کو سکوں تمہارے ہی دم سے تھا شہنواز
تم کیا گئے کہ رونقِ شام و سحر گئی

عظیم الدین عظیم

PlotNo:78/427,LotusGarden
Jadupur.Bhubaneswar-19
Mob-9938162271

آج کے اس دور میں انسانیت جاتی رہی
اور ان بچوں کی بھی معصومیت جاتی رہی
آ گئی جدت پسندی فطرتِ انسان میں
اب روایت کی وہ پہلی اہمیت جاتی رہی
حادثوں کی زد میں ہم رہنے لگے ہیں آج کل
اپنے سر سے بھی ردائے خیریت جاتی رہی
نقلی چیزوں کی فراوانی ہے اب بازار میں
آج ہر اک چیز کی بھی اصلیت جاتی رہی
پیار، ہمدردی، محبت اب کہاں پائیں عظیم
یوں تو انساں ہیں مگر انسانیت جاتی رہی

محمد امجد سلیم

H.No:2-9-110,Mukarrampura
KarimNagar-505001(T.S)
Mob-9550664623

ماضی کی طرح عہدِ شرافت نہیں رہا
کوئی بھی آج خوگرِ الفت نہیں رہا
چلنے لگا ہے تو بھی تو گم گشتہ راہوں میں
معیار تیرا رہبرِ ملت نہیں رہا
سر ہم نے کرلیا ہے بلندی کا معرکہ
صحرائے زیست میں کوئی پربت نہیں رہا
کتنے بلیغ شعر کہے میر نے مگر
شعروں میں اپنے حسنِ بلاغت نہیں رہا
خوئے وفا بھی باقی نہیں اپنے یار میں
"دل آشنائے سوزِ محبت نہیں رہا"
امجد فضائے امن بھی ملتی نہیں کہیں
فتنہ گری سے ملک سلامت نہیں رہا

نسرین نکہت

Qtr.No-H/496,Sector-15
Rourkela-3

رہنما اپنے جو ہیں وہ مہرباں ہونے لگے
تنکے تنکے جوڑ کر اب آشیاں ہونے لگے
رفتہ رفتہ اپنے دل کو بھی قرار آنے لگا
سر بسجدہ جب سے زیرِ آسماں ہونے لگے
دل کی دنیا روشنی سے جگمگانے لگ گئی
ان کی یادوں کے اجالے کہکشاں ہونے لگے
آج کے اس دور میں جینا ہوا دشوار ہے
زندگی میں ہر قدم پر امتحاں ہونے لگے
منزلِ مقصود تک نکہت رسائی کیسے ہو
پیچھے رہ کر ہم تو گردِ کارواں ہونے لگے

غلام سرور ہاشمی

BasdilaTolaMurgiyan
Gopalganj-841428
Mob-9771119044

اپنے خیال و فکر کا محور سمیٹ لو
اپنی غزل میں لفظوں کا گوہر سمیٹ لو
کرنوں کا جال ڈال کے دنیا میں ہر طرف
اچھا یہی ہے رات کا لشکر سمیٹ لو
کچھ بھی نہ ساتھ جایے گا اعمال کے سوا
تم اپنی خواہشوں کی وہ چادر لپیٹ لو
شامل ہے جس میں گلشنِ فردوس کی مہک
آنکھوں میں اس دیار کا منظر سمیٹ لو
اپنی غزل سنا کے ترنم کے ساتھ ساتھ
بزمِ سخن کی رونقیں سرور سمیٹ لو

طاہر حسین طاہرؔ
H.No{2-4-64,Khadakpura
Dist:Nanded-431601(M.S)

کس نے کہہ دیا تمہیں اک حسین خواب ہے
لمحہ لمحہ زندگی کرب ہے عذاب ہے
ہم کو مت سنائیے، ہم نے پڑھ لیا اسے
عشق کی کتاب میں درد کا نصاب ہے
دور تک سکون کا نام تک نہیں کہیں
''زندگی نفس نفس قیدِ اضطراب ہے''
داغ اپنے چہرے کا پہلے صاف تو کرو
بعد میں کہو میاں آئینہ خراب ہے
ہرطرف بکھر گئی روشنی ہی روشنی
یہ ہماری بزم میں کون بے نقاب ہے
بے حسوں کے ہاتھ میں نظمِ گلستاں ہے اب
طاہرؔ انقلاب یہ کیسا انقلاب ہے

عظیم بالیسری
Balasore(Odisha)
Mob-7978449715

مقصدِ زندگی جس نے سمجھا نہیں
ایسے انساں کا جینا تو جینا نہیں
زندگی کو بہت غور سے دیکھئے
ہر قدم امتحاں ہے تماشا نہیں
آپ کا حکم چلتا ہے چاروں طرف
میری مرضی سے کچھ بھی تو ہوتا نہیں
ان کی چشمِ کرم کا یہ اعجاز ہے
ریگِ صحرا میں رہ کر بھی تشنہ نہیں
بھائی پہ بھائی قرباں ہو اس دور میں
ایسا منظر نگاہوں سے گزرا نہیں
یوں تو کہنے کو رشتے بہت ہیں عظیمؔ
ماں سے افضل مگر کوئی رشتہ نہیں

محمد ممتاز شعورؔ سمبلپوری
Sambapur(Odisha)
Mob-6370768671

دیدارِ یار نے مجھے مسرور کردیا
رنج و الم کو دل سے مرے دور کردیا
دشمن ہے میری جان کا یہ شوقِ گفتگو
کچھ کہنے سننے کے لیے مجبور کردیا
اس حسنِ لازوال کے قربان جائیے
اتنا کرم کیا ہمیں مشہور کردیا
وہ آئے ایسے مجھ کو پتہ اپنا ہی نہیں
''خود ہوگئے قریب مجھے دور کردیا''
شکوہ زباں پہ لاتے ہی بدنام ہم ہوئے
اور ان کو بھی سکوت نے مغرور کردیا
خاموشیوں کی آڑ میں سب کچھ وہ کہہ گئے
ان کی اداؤں نے نے ہمیں مسحور کردیا
ان کی شعورؔ ذرہ نوازی تو دیکھئے
اتنا مجھے نوازا کہ مشکور کردیا

عارفہ رخسانہ
10-1-50,StreetCharwadan
P.O/Dt:Siddipet-502103
Mob-9963090280

رسمِ وفا و جذبۂ الفت نہیں رہا
اب دل میں وہ خیالِ محبت نہیں رہا
جب سے فریب ہم نے رفیقوں سے کھائے ہیں
دل آشنائے سوزِ محبت نہیں رہا
چھائے نہ تیرگی کہیں ظالم کے ظلم سے
گرچہ کہ اب زمانۂ ظلمت نہیں رہا
افسوس صلہ رحمی کے جذبے نہیں رہے
یہ دور پاسدارِ مروت نہیں رہا
ہم بٹ چکے جنونِ عقائد کے کھیل میں
اب ہم میں وہ تصورِ وحدت نہیں رہا
سنگین ہو نہ جائے کہیں انتشار یہ
یکجہتی کا وہ دورِ یگانت نہیں رہا
راہِ نجات کھو نہ دیں ہم عارفہؔ کہیں
دل میں جو شوقِ علم و ہدایت نہیں رہا

محمد نوشاد نورنگ
102,RaushanKiranApatment
1-RaviNagar.KhazranaRoad
INDORE-452018(M.P)

حشر میں پھر سے مجھے دنیا ودیعت ہوگی
اس نئی دنیا کی جنت کی سی صورت ہوگی
عیش و عشرت سے چرائیں گے سبھی جی اپنا
دل میں ہر ایک کے بس فکرِ عبادت ہوگی
دل کے آئینے میں جو ہوگی خدا کی صورت
اک دوجے سے ہر اک شخص کو الفت ہوگی
صدقہ لینے کے لیے آؤں گا تیرے در پر
تجھ سے ملنے کی فقط اک یہی صورت ہوگی
اپنی طاقت پہ نہ اتراؤ یزیدی فوجو!
سامنے داورِ محشر کے ہزیمت ہوگی
میرے حق میں بھی دعا کرنا وہاں پر نورنگ
جب تجھے مکہ مدینہ کی زیارت ہوگی

فوزیہ اختر ردا
No.5:Komadan BaganLane
Kolkata-700016(W.B)

اک صحیفے کی طرح آنکھ میں اترا پانی
اب کہاں میں ہوں کہاں خواب کا میٹھا پانی
ایک تنکے کی چبھن نے مری عزت رکھ لی
کس بشاشت سے مری آنکھ سے گزرا پانی
اس نے غربت کے بہانے سے چھڑایا دامن
ہم نے پلکوں پہ بڑی شان سے روکا پانی
اک دعا ہے جو بچاتی بھی رہی ہے ورنہ
یوں ڈبونے مجھے پھرتا رہا دریا پانی
ایک پتھر ہی ردا پھینک دے اس میں جا کر
جان لے لے نہ تری ذات کا ٹھہرا پانی

سالک ادیب
MisbahEnglishMediumSchool
At-Tangarani.P.O:JJhumpura
Dist:Keonjhar-758031(Odisha)

کیا میں بتاؤں کیا ہے کرشمہ شعور کا
ملتا ہے ذہن و دل کو اجالا شعور کا
دیتا ہے روشنی وہی فکر و خیال کو
انداز بھی ہے کتنا نرالا شعور کا
بزم سخن میں کرتا ہے کرنوں کی بارشیں
افلاکِ فکر میں یہ ستارا شعور کا
تھے کم نظر جو بزم سے اٹھ کر چلے گئے
میں نے دکھایا جب انھیں چہرہ شعور کا
ہوتا نہیں ہے اس سے خطاؤں کا ارتکاب
بخشا خدا نے جس کو ہے تحفہ شعور کا
اپنے بڑوں کے سایے میں بیٹھا کرو ادیب
پاؤگے ان سے تم بھی سلیقہ شعور کا

انجینئر کاشف احسن
ExecutiveEngineer(M).Damodar
ValleyCorporation.Bankura(W.B)
Mob-7076312897

''دستک دیے بغیر مرے گھر میں آ گیا''
جب اس کو میں نے دیکھا تو چکر میں آ گیا
موجِ رواں میں بہتے سفینے کو دیکھ کر
جوش و خروش کتنا سمندر میں آ گیا
آسان اس قدر نہیں یہ شاعری کا فن
لیکن وہ کہہ رہا ہے کہ پل بھر میں آ گیا
تبدیلی اس میں دیکھ کے حیران ہوں بہت
جذبہ کرم کا میرے ستمگر میں آ گیا
احسن ہر اک قدم پہ غموں کا ہے سامنا
یہ کیسا وقت میرے مقدر میں آ گیا

عارف محمد عارف
BadiShankarpur.Quraishi
Mohalla.Bhadrak-756100
Odisha

ارماں تھا تجھ سے پیار کا وہ دل میں رہ گیا
تنہا ہمیشہ میں تری محفل میں رہ گیا
سب لوگ لے کے کشتیاں آگے نکل پڑے
میرا سفینہ دیکھئے ساحل میں رہ گیا
وہ اپنا جرم پھر بھی چھپانے نہ پائے گا
میرا لہو جو خنجرِ قاتل میں رہ گیا
ہر کوئی ہے رنگا ہوا بس ایک ہی رنگ میں
کیا فرق دیکھئے حق و باطل میں رہ گیا
سب لوگ اپنے اپنے ٹھکانے پہ جا چکے
میں ہی فقط تلاشِ منزل میں رہ گیا
عارف جو زخم اس نے دیے تھے مجھے کبھی
داغ اس کا عمر بھر کے لیے دل میں رہ گیا

حامد ندیم
H.No-118,NiladriVihar.Sector-4
Bhubaneswar-21(Odiisha)
Mob9237963339

ہاتھ تیرے ظلم کی شمشیر ہے
اور ہدف مظلوم کی تقدیر ہے
بیٹا اس کا اب تلک لوٹا نہیں
سوچتی ہے ماں کہ کیوں تاخیر ہے
اس کی باتوں میں بھری ہیں تلخیاں
اس کا لہجہ ایک مہلک تیر ہے
میں رہا پیاسا تمہاری بزم میں
تشنگی شاید مری تقدیر ہے
ہے کلامِ حق کلامِ مصطفٰے
ہو بہو قرآن کی تفسیر ہے
اچھے دن آئیں گے کب جانے ندیم
دیس کی حالت بہت گمبھیر ہے

محمد تمیم باسم صدیقی
QaziMohalla.P.O:Padhanpara
Dist:Bhadrak-956114(Odisha)

ہمیں آنکھوں کا اب تارا بنانا چاہتے ہیں وہ
اور اپنے دل کی دنیا جگمگانا چاہتے ہیں وہ
ہم اپنے دل میں منصب کی کوئی چاہت نہیں رکھتے
اگرچہ شہر کا منصف بنانا چاہتے ہیں وہ
کسی صورت اندھیرا نفرتوں کا دور ہو جایے
محبت کا دیا دل میں جلانا چاہتے ہیں وہ
جو خود ڈوبے ہیں بدعت کی گھنی تاریکیوں میں اب
ہماری راہوں میں شمعیں جلانا چاہتے ہیں وہ
ہمارے قتل میں شامل تھے جو ہو کر پشیماں اب
ہماری لاش پر آنسو بہانا چاہتے ہیں وہ
جو کل تک تم کو باسم دیکھنے تک کے نہ قائل تھے
سنا ہے تم کو دل میں اب بسانا چاہتے ہیں وہ

سمیع احمد ثمر
C/O:SaghirAnsari.At:ShreeRampur
P.O:Mhammadpur.
Dt:SARAN-841223(Bihar)

اکیلا میں ہوں انجانے بہت ہیں
مرے اپنوں میں بیگانے بہت ہیں
مکاں شیشے کا بنوایا ہے تم نے
یہاں پتھر کو برسانے بہت ہیں
مجھے ملتا نہیں فرزانہ کوئی
مری بستی میں دیوانے بہت ہیں
جسے سن کر لگے ہیں جھومنے سب
غزل کے سب ہی مستانے بہت ہیں
مجھے بس اس کا میخانہ ہے کافی
جہاں میں ویسے میخانے بہت ہیں
ثمر محفل میں ہے جو شمع روشن
تو اس کے گرد پروانے بہت ہیں

کتابوں کے شہر میں

(تبصرے کے لئے دو کاپیوں کا آنا ضروری ہے)

اگر اپنی کتابوں کا اشتہار بھی دیں تو تبصرہ ترجیحی بنیاد پر جلد شائع کیا جائے گا۔ایک صفحے کے اشتہار کی شرح ایک ہزار روپے ہے۔تبصرے کے لئے کافی کتابیں جمع ہوچکی ہیں۔ان پر تبصرہ ترتیب وار شائع ہوتا رہے گا۔(ادارہ)

کتاب کا نام:عکسِ خیال (شعری مجموعہ)

ذکیہ شیخ مینا مبصر:سعید رحمانی

ذکیہ شیخ مینا نے ایک علمی خانوادے میں آنکھیں کھولیں۔طالب علمی کے زمانے سے ہی انھیں مطالعے کا شوق رہا ہے جو آج بھی جاری ہے۔ان کے کہنے کے مطابق جب تک کتاب کا مطالعہ نہ کر لیں نیند کی دیوی ان پر مہربان نہیں ہوتی۔خاتونِ خانہ ہونے کے باعث حالانکہ گھریلو ذمہ داریاں نبھانی پڑتی ہیں،پھر بھی وہ مطالعہ کے لیے وقت نکال لیتی ہیں۔کثرتِ مطالعہ کے سبب شعر و ادب سے لگاؤ ہونا فطری بات ہے۔پھر ان کے والد محترم مشاعروں میں بھی انھیں ساتھ لے جاتے تھے،چنانچہ شاعری سے انھیں رغبت ہونے لگی مگر شعر کہنے کا موقع نہیں ملا۔پھر ازدواجی زندگی کی مصروفیات بھی بڑھ گئیں۔لیکن شاعری کے جراثیم دماغ میں کلبلاتے رہے۔چنانچہ ایک دن بچوں کی ذمہ داری سے فراغت کے بعد اچانک ایک شعر کا نزول ہوگیا۔شعر ہے:

چراغ اپنا ہواؤں میں ہی جلانا ہے۔ہوا کا حوصلہ ہم کو بھی آزمانا ہے

اس کے بعد انھوں نے پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور غزل پر غزل کہتی چلی گئیں۔حالانکہ کافی تاخیر سے ۲۰۱۶ء میں شاعری کا آغاز کیا مگر ان تین سال کے قلیل عرصے میں اتنی غزلیں کہہ دیں کہ شعری مجموعہ ترتیب دیا جا سکے۔چنانچہ زیر نظر مجموعہ اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔حمد و نعت سے اس کا آغاز ہوتا ہے۔اس کے بعد صفحہ ۲۱/ سے صفحہ ۱۶۴/ تک غزلوں کی کہکشاں جگمگاتی نظر آتی ہے۔آخر میں کچھ قطعات شامل ہیں۔

ان کی غزلیہ شاعری میں جمالیات کی شبنمی ٹھنڈک بھی ہے اور حالات کے تپتے ہوئے ریگ زار کی تمازت کا بھی احساس بھی ہوتا ہے۔ان کی شاعری کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ تانیثیت کے ساتھ ساتھ تذکیری لہجے کے دبنگ اشعار بھی مل جاتے ہیں،مثالاً یہ شعر دیکھیں۔

اپنی دنیا کا میں ہی خالق ہوں۔ نیا سورج بنا رہا ہوں میں

مینا صاحبہ نے ایسے وقت میں اپنی شاعری کا آغاز کیا جب عمر پختہ ہوچکی تھی اور بہت سارے تجربات سے گزر چکی تھیں۔انھیں تجربات و مشاہدات کو انھوں نے شعری پیکر عطا کیا ہے اور روایت کی پاسداری کے ساتھ اپنی سوچوں کی تجسیم کی ہے۔غزلوں کے تیور ان کے تابناک مستقبل کی ضمانت دے رہے ہیں۔اگر انھوں نے شعر سازی کا سلسلہ جاری رکھا تو ایک دن معتبر شعرا میں ان کا بھی شمار ہونے لگے گا۔آخر میں چند ایسے ملے جلے اشعار کا حوالہ پیش ہے جن میں جمالیات کے ساتھ ساتھ عصری حسیت،ملی درد اور حب الوطنی کا برملا اظہار ہوا ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

لاکھ سوچا انھیں بھلانے کو۔یادیں پھر آ گئیں ستانے کو

تھا فخر کا باعث کبھی جس قوم کا ماضی۔اس قوم کی اب پستیٔ درجات کا غم ہے

غافل مباش اپنے حوالے تلاش کر

بکھرے پڑے ہیں عزم و شجاعت کے سلسلے

اے ارضِ ہند میں تری حرمت پہ جان دوں

اے پرچمِ وطن تری عظمت پہ جان دوں

ایک قلیل عرصے میں اس قدر غزلیں کہہ لینا زود گوئی کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کی بنا پر خس و خاساک بھی شامل ہو جاتے ہیں۔چنانچہ اس مجموعے میں بھی بعض کمیوں پر نظر رُکتی ہے۔اُمید ہے کہ مستقبل میں اپنی کمیوں پر قابو پالیں گی۔تاہم اس بات سے انکار نہیں کہ یہ مجموعہ ہمیں ایک نئے ذائقے سے روشناس کراتا ہے اور اُمید ہے کہ اہل ذوق اس کا استقبال خوش دلی سے کریں گے۔قیمت ہے ۱۷۵/روپے اور شاعرہ کا پتہ:۔۳۰۳،بلیو ٹینیٹ۔پلاٹ نمبر ۴۷/،سیکٹر 9/نیو پنویل۔نومی ممبئی۔410206

کتاب کا نام۔اگر محسوس کرو تو (شعری مجموعہ)

شاعرہ۔گل گلشن مبصر۔سعید رحمانی

نووارادانِ بساطِ سخن میں گل گلشن ایک اُبھرتا ہوا نام ہے۔اصل نام تو انصاری گلشن اقبال ہے مگر شاعری کے میدان میں قدم رکھا تو گل گلشن کہلانے لگیں۔کثرتِ مطالعہ کے سبب انھیں شاعری سے دلچسپی پیدا ہوئی۔خصوصاً نصابی کتابوں میں شامل غزلوں اور نظموں سے وہ کافی متاثر ہوئیں اور انھیں شاعری کی تحریک ملی تو ٹوٹے پھوٹے شعر کہنے لگیں اور آہستہ آہستہ ارتقائی منزلیں طے کرتی گئیں۔احباب نے ان کے اشعار کی پذیرائی بھی کی جس سے انھیں بڑا حوصلہ ملا۔

زیر نظر مجموعہ ان کی اولین پیش کش ہے جس کی ابتدا میں غزلیں اور آخر میں آزاد نظمیں شامل ہیں۔چونکہ انھوں نے ابھی تازہ تازہ میدانِ شاعری میں قدم رکھا ہے اس لیے ان کی غزلوں اور نظموں میں صلابتِ فکر اور فن کارانہ مہارت کی جستجو قبل از وقت ہوگی۔لیکن اس بات سے انکار نہیں کہ اپنے خیالات کو شعری پیکر عطا کرنے کی انھوں نے عمدہ کوشش کی ہے۔بقول اشتیاق سعید ”ایک نو آموز شاعرہ

کے لیے یہی کیا کم ہے کہ اس نے خیال وخواب کو فکر وشعور کے سانچوں میں ڈھال کر ایک تخلیقی پڑاؤ قائم کیا ہے"۔ یہاں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ان کی شاعری جمالیات اور احساسِ جمال کی اساس پر استوار ہے۔ بیشتر اشعار وارداتِ حسن وعشق اور ہجر ووصال کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔ کہیں کہیں ان کے ذاتی تجربات ومشاہدات کی چھوٹ کے علاوہ عصری حسیت کے حامل اشعار بھی مل جاتے ہیں۔ یہاں چند اشعار بطور حوالہ پیش ہیں۔

قید کر لے تو مجھ کو آنکھوں میں ۔ کب کہا میں نے کہ رہائی دے
میں تو بنتی سنورتی ہوں تیرے لیے ۔ بن کے خوشبو بکھرتی ہوں تیرے لیے
حریف میری رہی ہے دنیا۔ کوئی بھی مخلص ملا نہیں ہے
خواب میں صحرا، آنکھ میں پانی۔ جینا ہے جنجال نہ پوچھو
عجب یہ وقت آیا ہے ہماری قوم پر اے گلؔ
کسی ظالم کی ایسے میں حمایت تم نہیں کرنا

ان کی نظموں میں بھی یہی احساسِ جمال نمایاں ہے۔ سبھی نظمیں آزاد ہیں جن میں بھولوگے کبھی جو مجھے، اس بار جب بھی آنا، میری ڈائری وغیرہ نسائی جذبات کا خوبصورت اظہاریہ ہیں۔ نظم "میں ٹیچر ہوں" سے ظاہر ہے کہ موصوفہ درس وتدریس کے پیشے سے مسلک ہیں اور نونہالانِ ملت کی ذہنی پرداخت کے لیے تعمیری جذبہ رکھتی ہیں۔

چند لسانی وعروضی خامیوں کے باوجود یہ مجموعہ ہمیں ایک ایسی صالح فکر اور تعمیر پسند شاعرہ سے متعارف کراتا ہے جو ملی جذبوں سے سرشار ہیں اور جن کی شاعری کو نسائی جذبات کا روشن اشاریہ کہا جا سکتا ہے۔ اُمید ہے کہ اہل ادب ان کی پذیرائی میں کمی نہیں کریں گے۔ خوبصورت سرورق کے ساتھ کتابت وطباعت بے حد عمدہ اور نفیس ہے جسے ۱۴۰؍روپے کے عوض شاعرہ کے پتے سے حاصل کر سکتے ہیں۔ پتہ ہے:

A-404,Jivdani Plaza colony.Acholey road,Nalasopara(E)
Dist,Palghar-401209

کتاب کا نام۔ دفینہ پہاڑ کا (شعری مجموعہ)
شاعر۔ معراج احمد معراج مبصر سعید رحمانی

عصر حاضر کے شعری منظر نامہ میں معراج احمد معراجؔ کو منفرد شناخت حاصل ہے جو نہ صرف غزل کے مزاج داں ہیں بلکہ حرف وصوت کو یکجا کر کے خوبصورت شعری پیکر عطا کرنے کا ہنر بھی جانتے ہیں۔ ان کی غزلوں کو نئی شاعری کے ذیل میں رکھا جا سکتا ہے۔ نئے لہجے میں زندگی کی تشریحات وتعبیرات کو پیش کرتے ہوئے وہ اردگرد وقوع پذیر حالات کو اپنی باطنی اور وجدانی قوت سے بڑی بے باکی کے ساتھ شعری سانچے میں ڈھال دیتے ہیں۔

زیرِ نظر مجموعہ ان کی پانچویں پیش کش ہے۔ اس میں وہ سبھی غزلیں شامل ہیں جو ملک کے مقتدر رسائل اور اخبار کی زینت بن چکی ہیں۔ شعری سفر ۱۹۸۵ء سے جاری ہے۔ ارتقائی سفر طے کرتے ہوئے ان کی شاعری شعوری بالیدگی اور فکری صلابت کی آئینہ دار بن چکی ہے۔ نہایت سادہ وسلیس زبان میں وہ بڑی گہری باتیں کہہ جاتے ہیں جس کی بنا پر اشعار میں سادگی کے ساتھ پرکاری بھی ہوتی ہے اور گہرائی وگیرائی بھی۔

۱۱۲؍صفحات پر مشتمل اس مجموعے کی ابتدا حسب روایت حمد ونعت سے ہوئی ہے اور اس کے بعد غزلیں ہی غزلیں ہیں۔ ان غزلوں کے مطالعہ سے شاعر کی شخصیت، فکری طہارت اور تعمیر پسند جذبات کا پتہ چلتا ہے۔ ان غزلوں کی سب سے بڑی خصوصیت ایجاز واختصار ہے۔ چند لفظوں میں کائنات کو سمو لینے کا ہنر بخوبی آتا ہے۔ انھیں خود بھی اپنی اس خصوصیت کا احساس ہے۔ اس لیے کہتے ہیں:

میری غزل کی وسعتِ معنی نہ پوچھئے ۔ کوزے میں رکھ دیا ہے سمندر سمیٹ کر

اس بات کی تصدیق درج ذیل اشعار سے کی جا سکتی ہے جن میں استعارات وعلائم کے وسیلے سے انھوں نے اپنے مشاہدات کا اظہار کیا ہے۔

دریا کو کبھی اتنا تکبر نہیں ہوتا ۔ دریا سے اگر شہر کے نالے نہیں ملتے
جنوں خیز خنجر بکف ہیں اندھیرے۔ کہیں کاٹ ڈالیں نہ سر روشنی کا
اِدھر فوجِ ظلمت اُدھر ایک جگنو۔ بہت ہی بڑا ہے جگر روشنی کا

پہلے شعر میں دریا اور نالے کے حوالے سے یہ بات کہنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اگر چھوٹے لوگ خاکساری سے بڑے لوگوں سے نہ ملتے تو بڑوں میں اتنا تکبر نہیں ہوتا۔ دوسرے شعر میں ظلمت پسند طاقتوں کے غلبے پر خدشے کا اظہار ہے جب کہ تیسرے شعر میں روشنی کی بڑائی کا اعتراف ہے۔ کہیں کہیں تشبیہات کا برملا استعمال شعر کے حسن میں اضافے کا باعث بنتا ہے:

تلخ باتوں سے تعلق میں دراڑ آئے گی ۔ دودھ میں املی اگر ڈالوگے پھٹ جائے گا
غزل کے واسطے معراجؔ فکر میں ڈوبو۔ بغیر جھیل میں اُترے کنول نہ پاؤ گے

معاشرے میں ہونے والی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ان کی نظر رہتی ہے اور وہ بڑی خوبصورتی سے انھیں اپنے اشعار میں تجسیم کرتے ہیں۔ یہ شعر ملاحظہ ہوں:

نہ روشنی کے لئے اتنی تیز لو کر لو۔ کہ لالٹین کا شیشہ سیاہ ہو جائے
دوستوں کو پرکھنا ہے اگر آپ کو۔ اُن سے کہیے کہ مالی مدد چاہیئے

یوں تو ان کا شعری کینوس بہت وسیع ہے اور سب کا احاطہ اس مختصر تبصرے میں ممکن نہیں۔ صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ شاعر بڑا حساس ہوتا ہے اور وہ اپنے اردگرد ہونے والے واقعات وسانحات سے گہرا اثر لے کر موضوعِ سخن بناتا ہے۔ آج ملک کی فضا جس قدر مسموم ہو رہی ہے اور جس طرح ایک مخصوص فرقہ کو ظلم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اس کی تصویر کشی ملاحظہ فرمائیں:

تیرے چہرے پہ داڑھی ہے۔ کیا تو دہشت گرد ہے بابا
ہم کچھ ایسی فضا میں جیتے ہیں۔ ہر نفس جو ہراس دیتی ہے

نسلی تعصب اور معاشرے میں در آئی ناہمواریوں کا ذکر وہ بڑی بے باکی سے کرتے ہیں۔اس لئے کہتے ہیں:

میں غلط کو غلط نہ کیوں لکھوں۔عیب ہر گز ہنر نہیں ہوتا
ہمیں جو لکھنا ہے بے خوف لکھتے ہیں معراج
کسی کی دھمکی ہمارے قلم نہیں سنتے

مجموعی طور پر یہ مجموعہ شاعر کی عصری حسیت اور دل نشیں پیرایۂ اظہار کا مرقع ہے جس میں آج کے عہد کے سلگتے ہوئے مسائل اور آج کے انسان کو درپیش سانحات کو بڑے فن کارانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔مغربی بنگال اردو اکاڈمی نے اس کو خوبصورت خد وخال عطا کئے ہیں۔قیمت ہے ۷۰/روپے اور شاعر کا پتہ ہے۔ کلٹی۔آسنسول (مغربی بنگال) موبائل:0975472294

کتاب کا نام۔سورج نکلا ہے (حمدیہ نعتیہ ہائیکوز)
شاعر۔سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی مبصر سعید رحمانی

حضرت سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی کا شمار ایسی صوفی منش شخصیتوں میں ہوتا ہے جن کے ارادت مندوں کا ایک بڑا حلقہ برصغیر ہندو پاک میں موجود ہے۔خدمتِ دین وملت کے علاوہ آپ ایک صوفی منش شاعر کی حیثیت سے بھی مستحکم شناخت رکھتے ہیں۔تقدیسی شاعری ہی ان کی سوچوں کا محور ہے۔بارگاہِ رسالت مآب میں گلہائے عقیدت کے نذرانے کبھی غزل تو کبھی نظم، کبھی قطعات تو کبھی رباعی اور دیگر ہیئتوں میں بھی پیش کرتے رہتے ہیں۔محامد، نعوتِ پاک اور مناقب پر مشتمل ان کے نصف درجن سے زائد مجموعے منظرِ عام پر آکر اہلِ ادب سے خراج حاصل کر چکے ہیں۔موصوف کے فکر وفن پر بھی ایک مجموعہ ''پسِ اعترافِ سخن'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے جس میں ملک کے بیشتر ناقدینِ ادب کے گراں قدر تاثرات شامل ہیں۔

حضرت نور کے اسلوب اور رجحان کے حوالے سے عرفان صدیقی فرماتے ہیں ''باوجود موضوعات ومضامین کی گہرائی و گیرائی کے حضرت والا کے شعری مآخذ تک پہنچنے اور سمجھنے میں کوئی دشواری واشکال کے مراحل قارئین وسامعین کو کسی الجھن میں نہیں ڈالتے بلکہ صاف وشفاف ہونے کی وجہ سے اپنے آپ میں اپنی صراحت ووضاحت سے معمور ہوتے ہیں''۔اس کتاب میں جن مختلف مشاہیر ادب کی آرا شامل ہیں ان کے مطالعہ سے حضرتِ نور کی تقدیسی شاعری کے مختلف روشن گوشے اُجاگر ہوتے ہیں۔

نعت گوئی کے لئے غزل کا فارم زیادہ مقبول ہے اور تقریباً ہر شاعر اسی فارم کو نعت کہنے کے لئے ترجیح دیتا ہے۔حضرتِ نور کی بیشتر نعتیں بھی غزلیہ فارم میں ہیں۔تاہم دیگر ہیئتوں میں بھی وہ طبع رسائی کرکے اپنی فنی مہارت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

زیر نظر مجموعہ نعتیہ ہائیکوز پر مشتمل ہے۔ہائیکو جاپانی صنف سخن ہے۔ سہ مصرعی نظم کی صورت میں اس کی مسلمہ بحر ہے۔

فعلن فعلن فاع/فعلن فعلن فعلن فاع/فعلن فعلن فاع

یعنی ۵،۷،۵ سیلبل ہے اور یہی فارم اردو ہائیکوز میں مروج ہے۔مجموعے میں شامل سبھی ہائیکوز اسی مسلّمہ بحر میں کہے گئے ہیں جن کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ حضرتِ نور کو جہاں عروضی ولسانی مہارت حاصل ہے وہیں ہر فارم میں اپنے خیالات کی تجسیم کرنے کی قدرت بھی رکھتے ہیں۔ان سبھی ہائیکوز سے حضرت کے عقیدت مندانہ جذبات کا برملا اظہار ہوا ہے۔ان ہائیکوز میں ندرتِ بیان بھی ہے اور زبان کی شگفتگی بھی۔اس کے علاوہ حمدیہ ہائیکوز موصوف کے جذبۂ عبودیت کا روشن اظہاریہ ہیں جب کہ نعتیہ ہائیکوز سے سرکار دو عالم ﷺ سے گہری عقیدت اور محبت مترشح ہے۔مثلاً چند ہائیکوز ملاحظہ ملاحظہ فرمائیں:

ہر لحظہ ہر آن/اے خالق/تری بیاں ہو شان
دیکھا ہے اکثر/رب کی رضا سے اُڑ کر/ پانی دھواں بنتا ہے اکثر
ہم نے دیکھے ہیں/شہرِ نبی کے پتھر بھی/ پھول سے اچھے ہیں
روشن سینہ ہے/ تیری محبت کا آقا/ دل گنجینہ ہے
اے شہرِ مدینہ/ تیرے ہجر کی بستی میں/ بے کار ہے جینا

مختصر کہنا چاہوں گا حضرتِ نور نے ان ہائیکوز میں جہاں اپنے مطہرہ جذبات کو سرخروئی کے ساتھ شعری جامہ عطا کیا ہے وہیں ان کی فنی ولسانی مہارت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔آخر میں پروفیسر سحر انصاری کی اس رائے پر اپنی بات ختم کرنا چاہوں گا۔''نور الحسن نور کو قدرت نے جو فن شاعری عطا کیا ہے اس کا انھوں نے شکرانِ نعمت ادا کرنے کے لئے تعریفِ سبحانی اور توصیفِ محبوبِ ربّانی ﷺ کے گلہائے رنگا رنگ مختلف اصنافِ سخن میں کھلائے ہیں جس کی ایک مثال ان کے حمدیہ ونعتیہ ہائیکوز کا مجموعہ ''سورج نکلا ہے''۔

اب تک بیشتر اصنافِ سخن میں حمدیہ ونعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں لیکن ہائیکوز کے فارم اس مجموعے کی اولیت کا سہرا حضرتِ نور کے سر جاتا ہے جس کے لئے وہ لائقِ مبارک باد ہیں۔امید ہے اہل ادب پہلے کی طرح اس کا بھی خوش دلی سے استقبال کریں گے۔قیمت ۱۰۰/روپے ہے اور ملنے کا پتہ آستانہ عالیہ نوابیہ قاضی پور شریف۔پوسٹ مندوہ، تحصیل کھاگا۔ضلع فتحپور۔ہسوہ۔۲۱۲۶۵۳ (یوپی)

کتاب کا نام۔نعتوں کے دیے (نعتیہ مجموعہ)
شاعر۔سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی مبصر سعید رحمانی

تقدیسی شاعری میں حضرت سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیز کا شمار صف اول کے نعت گو شعرا میں کیا جاتا ہے۔آپ نے غزلیں، رباعیات، قطعات وغیرہ بھی کہی ہیں لیکن صنفِ نعت سے انھیں ذہنی وابستگی ہے جو سرورِ کائنات ﷺ سے گہری عقیدت کا نتیجہ ہے۔اب تک نصف درجن سے بھی زاید نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔''نعتوں کے دیے'' ان کا تازہ ترین مجموعہ ہے۔جس میں استاذ سخن میر تقی میر

کی غزلوں کی زمینوں پر نعتیں کہی گئی ہیں۔ میرؔ جیسے شاعر کی سنگلاخ زمینوں پر نعت کہنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ مگر یہ کہنے میں باک نہیں کہ حضرتِ نور اس وادیٔ پُرخار سے سُرخ رو گزرے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کو زبان و بیان پر نہ صرف عبور حاصل ہے بلکہ فنی لوازمات سے بخوبی آشنا بھی ہیں۔

موصوف کی طبیعت میں اجتہاد پسندی بھی شامل ہے اور ان کی ہمیشہ کوشش رہتی ہے کہ کچھ نیا پیش کیا جائے۔ اس مجموعے سے قبل آپ غالبؔ کی زمینوں پر نعت کہہ کر ''ثنا کی نکہتیں'' کے نام سے پیش کر چکے ہیں جس کی خاطر خواہ پذیرائی ہوئی ہے مگر اس پر اکتفانہ کرتے ہوئے انھوں نے میر تقی میرؔ کی زمینوں میں نعتیہ مجموعہ اس لئے پیش کیا کہ اس سے قبل اور کسی نے اس میدان میں قدم نہیں رکھا ہے۔ اس طرح اولیت کا سہرا بھی ان کے سر جاتا ہے۔

نعت کہنے کے لئے اولین شرط دل میں عشقِ رسول ﷺ کا والہانہ جذبہ ہو۔ پھر خلوصِ نیت، معنوی تہہ داری اور شعری جمال کا بھی ہونا ضروری ہے۔ مجموعے میں شامل نعتوں کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرتِ نور میں یہ اوصاف بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ چنانچہ یہ سبھی نعتیں ان کی شاعرانہ بصیرت اور حُبِ رسول کی آئینہ دار ہے۔ نعت گوئی کے تعلق سے اپنے رجحانِ طبع کا اظہار انھوں نے متعدد اشعار میں کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

نبی کی نعت ہو یوں برگِ زندگی پہ رقم۔ قلم ہو دل کا محبت کی روشنائی ہو
بام پر لکھ دیا ہے نعت کا شعر۔ جگمگا تا ہے میرا گھر دیکھو
کر رہا ہوں اس لئے تیار نعتوں کی ردا
دھوپ کے صحرا میں رہنے کے لئے چھت چاہیے

کہیں کہیں راست اظہاریہ ہے تو کہیں کہیں استعارات و علائم کے وسیلے سے بھی اپنی بات کہنے کی کوشش کی ہے۔ اس نوع کے اشعار میں گہرائی و گیرائی کے علاوہ تہہ داری بھی پائی جاتی ہے۔ اس کی تصدیق کے لئے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

پھرتے ہیں جستجو میں جہانِ جمال کو۔ رکھ کر درِ رسول پہ آنکھوں کے کاسے ہم
اس کی نسلوں کو بھی غم کی دھوپ نے دیکھا نہیں۔ جس کو حاصل مصطفےٰؐ کا سایۂ داماں ہوا
آنگن میں جب ذکر نبی کے کھلے ہیں پھول۔ کرتے ہیں اہل شہر مرے آشیاں کی بات

مجموعے میں شامل یہ سبھی نعتیں سیرتِ پاک کے مختلف گوشوں کا احاطہ کرتی ہیں۔ ان میں روایت اور جدت کا ایک حسین امتزاج بھی نظر آتا ہے۔ اس لیے اشعار میں تازگی اور تنوع کے ساتھ ساتھ زبان و بیان پر دسترس اور صلابت فکری پائی جاتی ہے۔ مختصراً کہا جائے تو ان نعتوں میں شاعر کے سوز و گداز، عشقِ رسول کی سرشاری بھی ہے اور دیارِ نبی کے دیدار کی تڑپ کا برملا اظہار بھی ہوا ہے اور یہ بھی احساس ہوتا ہے کہ شاعر نے جذب و کیف میں ڈوب کر اپنے دل کی سرگوشیوں کو بھیگی بھیگی پلکوں کے ساتھ رقم کی ہے۔ آخر میں حضرتِ نور کے اس شعر سے اپنی بات ختم کرنا چاہوں گا:

اے نورؔ ستم کی راتوں کا لشکر تہہ و بالا کر دینا
نعتوں کے دیے روشن کر کے دنیا میں اُجالا کر دینا

وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ نعتوں کے یہ دیے اپنی ضیا پاشیوں سے اندھیرے کے لشکر کو یقیناً مات دیں گے۔ خوبصورت طباعت اور نفیس کاغذ کے ساتھ اس کتاب کی قیمت ہے ۱۵۰/ اور ملنے کا پتہ' آستانہ عالیہ نوابیہ قاضی پور شریف۔ پوسٹ منڈوہ۔ تحصیل کھاگا، ضلع فتح پور ہسوہ۔212653 (یوپی)

کتاب کا نام۔ نورافکار (شاعری)

شاعر۔ حوالدار سلیم الدین عامرؔ مبصر۔: عبدالمتین جامیؔ

زیرِ نظر مجموعہ ''نورِ افکار'' کے خالق ہیں حوالدار سلیم الدین عامرؔ صاحب جو کہ سائنس جیسے خشک موضوع کے استاد ہیں۔ اس کے باوجود انھوں نے رچا بسا ادبی ذوق پایا ہے' خاس کر اردو شاعری کی زلف کے اسیر ہیں۔

زیرِ نظر مجموعہ ان کی پہلی پیش کش ہے۔ ۲۰۰۰ء سے وہ شعری منظر نامہ میں دادِ سخن دے رہے ہیں اور اخبارات و رسائل میں چھپنے چھپانے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ غزل کے علاوہ حمد و نعت و منقبت اور تاریخی قطعات کہنے پر بھی دسترس رکھتے ہیں۔ مشہور شاعر و ادیب و صحافی قمر گوالیاری نے اپنے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ ''شعری مجموعہ ''نورِ افکار'' عامرؔ کے اچھے شاعر ہونے کی دلیل ہے۔ ان کی شاعری میں زندگی کا ہر رنگ موجود ہے۔''

سید سبحان انجم رقم کرتے ہیں کہ'' حوالدار سلیم الدین عامر شیگاؤں کے واحد ایسے شاعر ہیں جو تاریخی قطعات لکھتے ہیں۔ علاقۂ برار میں قاضی سعید افسر اچلپوری، رفیق شاکر مرحوم کے بعد تاریخی قطعہ گوئی میں عامرؔ کو یقیناً یاد رکھا جائے گا۔''

ظاہر ہے اتنے کم عرصے میں جن کو تاریخ گوئی میں ملکہ حاصل ہو چکا ہے وہ یقیناً شعر گوئی میں پختگی حاصل کر چکے ہوں گے۔ ڈاکٹر نور احمد خان نے اپنے تبصرے میں لکھا ہے کہ'' عامرؔ بنیادی طور پر تو جدید شاعر ہیں لیکن ان کے کلام میں کہیں کہیں ترقی پسند رجحان بھی پایا جاتا ہے۔ کسان، انتباہ، بلاؤں کا سامان ان کی ترقی پسندانہ نظمیں ہیں۔ طفلی نظمیں لکھنے پر بھی قادر ہیں''۔

راقم نے ان تمام آرا کی روشنی میں جب ان کے کلام کا بغور مطالعہ کیا تو دیکھا کہ واقعی انھیں شعری بصیرت حاصل ہے۔ ان کی شاعری کو فکری بلند پروازی' وارداتِ قلبی اور ندرتِ خیال کا عمدہ نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ کہیں کہیں علامت پسندی کا بھی ثبوت دیتے ہیں۔ موصوف کی تقدیسی شاعری بھی دل کو چھو لیتی ہے۔ راقم تو یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ صرف دو دہائیوں کے قلیل عرصے میں شاعری کے اتنے سارے گُر کیسے معلوم ہو گئے۔ انھوں نے ''اپنی بات'' میں لکھا ہے کہ سید سبحان انجم اور عزیز

خاں عزیز صاحبان کی اصلاح سے لفظیات کے صحیح استعمال کا طریقہ معلوم ہوا۔ چنانچہ وہ محض لفظیات کی تلاش میں سرگرداں نہیں رہتے بلکہ خود لفظیات کا ایک ریلا انھیں اپنی شاعری میں برتنے کی دعوت دیتا ہے۔ ذیل میں چند ایسے ملے جلے اشعار پیش ہیں جن سے عامر صاحب کے کمالِ فن کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

ہمیں اجسام فلکی میں نظر آتا ہے اعلا نظم ۔ کہ ان کی گردشوں کو بھی خدایا تو نے ندرت دی

خدا نے جس کو یارو دو عالم کی سروری دی ہے۔ ہمیں اس سرورِ عالمؐ نے رب کی بندگی دی ہے

جس کو الفت ہے محبت کی شجر کاری سے ۔ وہ مہک بن کے گلستاں میں بکھر جائے گا

تعمیرِ مکانات پہ ہیں ساری توجہ ۔ کردار کی تعمیر پہ کچھ دھیان نہیں ہے

مجھے پوری اُمید ہے کہ عامر صاحب کی اس پہلی پیش کش کو قارئین خوش دلی سے قبول کریں گے۔ امید ہے کہ اگلے پڑاؤ تک جاتے جاتے ان کی شاعری برگ و بار لا کر شجرِ سایہ دار بن چکی ہوگی۔ اس کتاب کی قیمت ۹۰/روپے ہے اور ملنے کا پتہ ہے۔ ایاز الدین اشہر صاحب، ویکلی مارکیٹ، ناندورہ۔ ضلع، بلڈانہ (مہاراشٹر)

کتاب کا نام۔ باہم دِگری (ہندی افسانوں کے ترجمے)

مترجم۔ عبدالباری ایم۔ کے مبصر۔ عبدالمتین جامی

زیرِ نظر کتاب ''باہم دیگری'' میں معروف ترجمہ نگار و مرتب عبدالباری ایم۔ کے نے ہندی کہانیوں کو اردو قالب میں پیش کیا ہے۔ قبل ازیں ان کی ترتیب شدہ کتاب ''اشتیاق سعید کی فنی جہات'' اور ''بھیروں کبھی مرا نہیں'' نامی ہندی ناول کا ترجمہ بھی شائع ہو کر قارئین سے کافی داد حاصل کر چکا ہے۔ درس و تدریس کے پیشے سے سبکدوشی کے بعد وہ مختلف ادبی انجمنوں سے وابستہ رہ کر اردو کی خدمات انجام دے رہے ہیں ۔ ''خبر مشن ادبی ڈائری'' کے جوائنٹ اڈیٹر اور سہ ماہی ''ادب گاؤں'' کے بھی مدیر ہیں۔ ادبی خدمات کے صلے میں بہار اردو اکاڈمی، اتر پردیش اردو اکاڈمی اور ہندوستانی پرچار سبھا ممبئی کی جانب سے بھی وہ اعزازات حاصل کر چکے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں کل ۱۳/ہندی افسانوں کے تراجم پیش کیے گئے ہیں۔ ہندی کے معروف کہانی کار جیئے نندر، رام دھاری سنگھ دیواکر، ہری شنکر پرشانی، کاشی ناتھ سنگھ، موہن لال کملیش، منوہر کاجل، رمیش اپادھیائے، ہمنت کمار، شوشانت سپریہ، ودّیا شکلا، سبطین شہیدی وغیرہم کے مشہور افسانے شامل ہیں۔ عبدالباری ایم۔ کے نے اپنی پسند سے صرف انھیں افسانوں کا انتخاب کیا جن میں عہد جدید کے مختلف سیاسی و سماجی حالات کی عکاسی ہوئی ہے۔ تقریباً تمام افسانوں میں شہری و دیہی علاقوں کے لوگوں کی تہذیب و تمدن کا دل پذیر انداز میں بیان دیکھنے کو ملتا ہے۔ عہدِ جدید میں بزرگ مرد و عورت کے لئے OldAgeHome کا جو کلچر رائج ہے وہ صرف غیر انسانی ہی نہیں بلکہ مغربی تہذیب کی بھونڈی نقالی ہے۔ ہمارے ملک عزیز میں مشترکہ خاندان کے افراد ایک ہی چھت کے تلے ہنسی خوشی رہتے آئے ہیں۔ اب اندھی تقلید کے باعث اس تہذیب کے نقوش بدرتج مٹتے جا رہے ہیں۔ ایسے بزرگوں کے کرب کا کون اندازہ لگا سکتا ہے جن کو ان کی اپنی اولاد اولڈ ایج ہوم میں چھوڑ آتی ہے۔

اور ایک کہانی ہے جس میں معمولی پنچائت الیکشن کا نقشہ پیش کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ الیکشن جیتنے کے لیے کیسے کیسے انسانیت سوز ہتھ کنڈے اپنائے جاتے ہیں۔ سبطین شہیدی کا ہندی افسانہ ''بڑی آنکھوں والی لڑکی'' بھی قارئین کی آنکھوں کو نم کر دیتا ہے۔ دہشت گردی کا شکار کسی خاص ایک فرقہ کے افراد ہی نہیں ہوتے بلکہ ہندوستانی شہری ہوتے ہیں اور جس کے نتیجے میں لاکھوں لوگوں کا خوابوں کا محل زمین بوس ہو جاتا ہے۔

''چک بندی'' ایک ایسی کہانی ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ سرکاری حکام اور ذمہ دار اشخاص بے ایمانی، رشوت خوری کے بل بوتے پر ہزاروں سیدھے سادے عوام کا ذہنی و مالی استحصال بڑی بے جگری سے کرتے ہیں۔ بہر کیف زیرِ نظر کتاب ''باہم دِگری'' سنجیدہ اور عام قارئین کے مطالعہ کے لئے ضروری ہر سامان سے لیس ہے۔ البتہ کتابت کی خامیوں کے علاوہ کہیں کہیں لسانی خامیاں سدِ راہ ہوتی ہیں۔ خصوصاً تذکیر و تانیث کا خیال نہیں رکھا گیا ہے۔ اگر مکالمے میں یہ خامیاں ہوں تو کوئی بات نہیں لیکن بیانیہ میں یہ خامیاں نا قابل قبول ہیں۔ نشان دہی کرنے کے لئے تبصرے کے لئے مختص جگہ ناکافی ہوگی۔ لیکن یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ہر خاص و عام قاری کے لئے یہ کہانیاں کافی دلچسپ ثابت ہوں گی۔ خاص طور پر ہندی افسانوں کے معیار اور افسانہ نگاروں کے ذہنی رو کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ عبد الباری صاحب کی یہ کوشش قابل تعریف ہے۔ مبارک باد۔ کتاب کی قیمت ۲۰۰/روپے اور ملنے کا پتہ مکتبہ جامعہ لمٹیڈ پرنس بلڈنگ ۔ ابراہیم رحمت اللہ روڈ ممبئی۔ 400008

کتاب کا نام۔ مسکرانا منع ہے (طنز و مزاح)

مصنف۔ منظور وقار مبصر۔ عبدالمتین جامی

زیرِ نظر کتاب ''مسکرانا منع ہے'' مشہور مزاح نگار منظور وقار کی تیسری پیش کش ہے۔ قبل ازیں ''ہنسنا منع ہے'' اور ''کانٹوں کا جھنڈا'' کے نام سے ان کے افسانچوں کے مجموعے شائع ہو کر اردو دنیا میں ہلچل پیدا کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ مزاحیہ افسانچوں، علامتی افسانچوں، بچوں کی کہانیاں، خاکے، تبصرے اور رپورتاژ وغیرہ موضوعات پر مشتمل مزید ۱۴/مسودے اشاعت کے منتظر ہیں۔ زیرِ نظر کتاب سے پتہ لگتا ہے کہ وقار صاحب کی طبیعت میں بذلہ سنجی ہے اور وہ بات بات میں طنز و مزاح کا پہلو نکال لیتے ہیں۔

اردو کے نامور قلم کاروں نے ان کے اندازِ تحریر کے انوکھے پن کا کھلے

دل سے اعتراف کیا ہے۔مصنف کی تحریروں کی تعریف کرنے والے ادباء میں شمس الرحمٰن فاروقی، یوسف ناظم، سلیمان اطہر جاوید، ڈاکٹر حبیب ضیا، احمد جلیس، ڈاکٹر طیب انصاری، رئیس الدین رئیس، رام پرکاش راہی، محبوب راہی، رؤف خوشتر، اشتیاق سعید، اعجاز سیمابی کے علاوہ مزید ایک درجن معروف ہستیاں شامل ہیں۔

شمس الرحمٰن فاروقی لکھتے ہیں آپ کی ''کتاب ہنسنا منع ہے'' میں نے پڑھی، لطف آیا۔طنز ومزاحیہ ادب اردو زبان کا طرۂ امتیاز ہے......آپ کے مزاج میں تازگی اور طباعی ہے۔شاعروں کے خطوط بہت خوب ہیں۔یوسف ناظم، سلیمان خطیب اور مجتبیٰ حسین کے بعد گلبرگہ میں منظور وقار نے خوش مزاجی اور چہل کی دُکان کھولی ہے اور رنگین غباروں اور پھریروں سے سجایا ہے''۔

سلیمان اطہر جاوید فرماتے ہیں ''منظور وقار کی کتاب ''ہنسنا منع ہے'' کا عنوان ہی دلچسپ ہے اور معنیٰ خیز ہے۔اس کتاب میں مضامین کو پڑھتے ہوئے یہ احساس ہوتا ہے کہ منظور وقار کا معاشرت اور سیاست کا مطالعہ تہہ گیر ہے''۔

یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے سنجیدہ قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں سکتا۔خود اس سلسلے میں منظور صاحب نے ''بات اپنی'' میں لکھا ہے کہ ''۱۹۹۰ء میں میرے طنزیہ ومزاحیہ مضامین کی کتاب ''ہنسنا منع ہے'' شائع ہوئی تھی۔منع کرنے کے باوجود قارئین کتاب پڑھ کر ہنستے رہے۔یہ گُر کامیاب ہوتے ہوئے دیکھ کر ایک طویل عرصہ کے بعد ''مسکرانا منع ہے'' قارئین کی خدمت میں حاضر ہے، دیکھنا چاہتا ہوں اس بار قارئین منع کرنے کے باوجود مسکراتے ہیں یا نہیں۔

''مسکرانا منع ہے'' میں کل ۲۵ر چھوٹے بڑے طنزیہ ومزاحیہ مضامین شامل ہیں۔ناچیز کو پختہ یقین ہے کہ ان تمام مضامین کے مطالعہ کے دوران سنجیدہ سے سنجیدہ قارئین بھی قہقہہ نہ سہی تبسم زیرِ لب نظر آئیں گے۔پہلا مضمون ''داستان دانتوں کی'' سے لے کر ''کل یگ کی کایا پلٹ تک'' وقار صاحب نے اپنے انداز سے ایک حسین ماحول تشکیل دینے کی ہر ممکن کوشش ضرور کی ہے۔

ایک مضمون ''ڈاکٹر خوش حال مریض کنگال'' کے آخری پیراگراف سے مثالاً چند سطور پیش ہیں جن میں مزاح کے ساتھ ساتھ شگفتگی، زبان کی چاشنی ایک عجیب لطف دیتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ حقیقت بیانی کا عنصر ان میں کہاں تک موجود ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

''کیف گورنمنٹ ہسپتال ہوں یا کہ پرائیویٹ ہسپتال ہائی ٹیک ہو کہ اور ٹیک ہسپتال کے بڑی ڈگری والے ڈاکٹر ہوں کہ چھوٹی ڈگری والے ہر چار صورتوں میں علاج ان دنوں اس قدر مہنگا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر خوش حال ہوتے جارہے ہیں تو مریض کنگال''۔

یہاں یہ بات درج کردینا ضروری ہے کہ کتاب ھذا میں شامل تمام مضامین ہندوستان کے مشہور ومعروف نیز باوقار رسائل کی زینت بن چکے ہے۔اردو کے عام نیز خاص قارئین اُنھیں کئی دہائیوں سے جانتے ہیں۔مختصر یہ کہ ''مسکرانا منع ہے'' کا مطالعہ کر کے قاری یقیناً محظوظ ہوگا۔صفحات ومواد کے اعتبار سے ۲۵۰/روپے زیادہ نہیں ہے۔ملنے کا پتہ ہے نمبر A/84 فرسٹ فلور، سعادت حج ہاؤس، رچمنڈ روڈ، رچمنڈ ٹاؤن، بنگلور 260025

نام کتاب : فساد اور دیگر نظمیں

شاعر: ڈی۔کے۔شیخ۔مراٹھی سے اردو ترجمہ : اسلم مرزا

تبصرہ نگار: رفیق جعفر (پونہ) 9270916979

اورنگ آباد (مہاراشٹر) کے اسلم مرزا پیشے سے وکیل ہیں۔اردو کے علاوہ انگریزی اور مراٹھی زبانوں پر عبور رکھتے ہیں۔ان کا مطالعہ وسیع اور لسانی شعور خاصا ہے۔اردو ادب سے خاص دلچسپی کے سبب تخلیق، تحقیق اور تنقیدِ ادب سے شغف رکھتے ہیں۔ان اصناف میں عرصۂ دراز سے تواتر کے ساتھ لکھ رہے ہیں۔ایک ڈیڑھ دہے سے تحقیق کی طرف اِن کا رجحان زیادہ ہے۔چنانچہ انھوں نے ادبی تحقیق اور سماجی وتاریخی تحقیق پر کافی کام کیا ہے جو مضامین اور کتابی صورت میں منظر عام پر آکر قارئین، ناقدین سے داد بھی پا چکا ہے۔اب ایک محقق کی حیثیت سے بھی ان کی شہرت مسلمہ ہے۔اس کے ساتھ مترجم کی حیثیت سے بھی یہ جانے مانے جاتے ہیں۔انگریزی اور مراٹھی زبانوں کے معیاری شعری ادب کو انھوں نے اردو روپ دے کر اردو ادب کے سرمایہ میں اضافہ کیا ہے۔زیرِ تبصرہ کتاب ''فساد اور دیگر نظمیں'' اسی سلسلے کی ایک مضبوط کڑی ہے۔

اسلم مرزا نے اکتوبر ۲۰۱۷ء میں کوی پرشانت اسنارے کی مراٹھی نظموں کا ترجمہ کر کے ''مور پنکھ'' کے نام سے شائع کیا تھا۔اس پر میرے علاوہ اور بھی کئی مبصروں نے بے لاگ تبصرے کیے تھے۔اس کتاب کی پذیرائی کی وجہ سے انھیں اچھے مترجم کی حیثیت سے مان لیا گیا تھا۔اب ۲۰۱۹ء میں مراٹھی کے مشہور شاعر ڈی۔کے۔شیخ کی بے باک نظموں کو اردو والوں سے متعارف کروایا ہے۔گو یہ نظمیں اردو مزاج سے میل نہیں کھاتیں لیکن اِن کا مواد توانا اور مقصدی ہے اور ان نظموں کا اظہار ہمارے اردو کی ترقی پسند تحریک کے رنگ اور آہنگ کا ہے۔اس لیے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔یہ ساری نظمیں، نثری نظمیں ہیں۔جنھیں پہلے پہل تسلیم نہیں کیا گیا مگر دھیرے دھیرے نثری نظموں نے اپنا لوہا منوالیا ہے اور باضابطہ طور پر اسے اصنافِ سخن کی فہرست میں شامل کر لیا گیا ہے۔اب اردو کے شعراء بھی اس صنف میں طبع آزمائی کرنے لگے ہیں۔یہ کتاب ایک لحاظ سے وقت پر چھپی ہے ایک دہے پہلے چھپتی تو پذیرائی مشکل تھی۔

یہ مجموعہ ڈی۔کے۔شیخ کی کویتاؤں کے مشہور سنکلن ''دنگل آنی اِتر کویتا'' میں شامل نظموں کا اردو روپ ہے۔مترجم اسلم مرزا نے ترجمہ کو اصل تک پہنچانے میں بڑی محنت کی ہوگی، تبھی شیخ صاحب کی یہ نظمیں اُن ہی کی کہی ہوئی

معلوم ہوتی ہیں۔ جنھوں نے اِن کی مراٹھی نظمیں پڑھی یا سنی ہوں گی وہ اگر اسلم مرزا کی ترجمہ شدہ نظمیں پڑھ لیں تو داد دیئے بغیر نہیں رہیں گے۔

ڈی۔ کے۔ شیخ کی نظمیں راست گوئی کی عمدہ مثالیں پیش کرتی ہیں۔ ان کے نظمیہ فن میں کوئی پیچیدگی نہیں، کوئی تصنع نہیں، بناوٹ نہیں، جھوٹ نہیں۔ پڑھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظمیہ سوچ شاعر کی نہیں بلکہ ہماری اپنی سوچ ہے۔ کسی شاعر کو پڑھ کر یا سن کر اگر سامع یا قاری کو ایسا محسوس ہو تو اسے شاعر کی کامیابی سمجھنا چاہیے۔ میں نہیں جانتا کہ ڈی۔ کے۔ شیخ کا مراٹھی ادب میں کتنا نام ہے، کیا مقام ہے لیکن یہ ضرور جانتا ہوں کہ ہر زبان کے ہر اُس آدمی کو یہ نظمیں متاثر کریں گی جو اپنے وطن سے پیار کرتا ہے اور ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کو پسند کرتا ہے اور اسے برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ بقول ڈاکٹر گریش مورے : ''یہ شاعری صرف جذبات کا اظہار نہیں بلکہ نظریاتی تفکر سے آشنا کرنے والی نظموں کا مجموعہ ہے۔ زبان کا نرم اور دھیما لب ولہجہ کیسے برتا جائے اور لفظوں کے تانے بانے سے انسان، انسان کو کیسے مربوط کیا جائے۔ یہ نظمیں ہمیں مؤثر انداز میں بتاتی ہیں۔''

ڈی۔ کے۔ شیخ کی اس کتاب میں شامل نظموں کی اہمیت کی بات نکلی ہے تو بطور نمونہ یہاں چار نظمیں پیش کی جارہی ہیں۔ ملاحظہ کریں اور سوچیں کہ یہ کوی کس منفرد انداز میں بات کرتا ہے۔

(۱) ''ماں'' : صبر وتحمل کے ساتھ دھوپ برداشت کرتے ہوئے/ خوب کیا میرا لاڈ پیار/ ایسے حفاظت کی جیسے ہتھیلی پہ آیا آبلہ/ خود تو فاقے کیے/ لیکن پروان چڑھایا، تعلیم دلوائی/ گردن اٹھا کر اس دنیا میں/ اس نے مجھے جینا سکھایا/ میری پریشانیوں کے دنوں میں/ لوگوں نے جو جی میں آیا، کہا/ ماں نے لیکن زخموں پر میرے ہمیشہ پھاہا رکھا/ بہت کچھ دیا مجھے بھولی بھالی پارسا ماں نے/ لوٹا نہیں سکتا میں کبھی اس زندگی میں/ جو کچھ اس نے مجھے دیا۔

(۲) ''چلئے شروعات ہوئی'': ہندوستان کے مسلمانوں کو/ سخت گالیاں دینے کے بعد احساس ہوا اسے/ اپنے درمیان ایک مسلمان کی موجودگی کا/ تو حواس باختہ ہوکر/ اس نے کہا ''معاف کیجیے'' / میں ہنس دیا/ میں نے کہا ''اس باب میں ہم بھی کچھ کم نہیں ہیں/ لیکن کہیں نہ کہیں یہ رُکنا چاہیے'' / ''رکے گا؟'' اس کا سوال۔/ ''قطعی رکے گا'' میرا جواب۔/ ہم اور تم اگر اس کی ابتدا کریں تو ....../ ایک میٹھی ہنسی/ مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے۔/ ''چلئے شروعات ہوئی'' / میں نے دل ہی دل میں کہا۔

(۳) ''وہ مجھے'' : اس نے مجھے ''بے وقوف'' کہا/ میں زیرِ لب مسکرا دیا۔/ اس نے مجھے ''نالائق'' کہا/ میں نے اسے نظر انداز کر دیا۔/ اس نے مجھے ''کمینہ'' کہا/ جانے دو ...... کہنے دو ...... میں نے کہا/ دل ہی دل میں۔/ اس نے مجھے ''پاکستانی'' کہا/ ایک لمحہ کا بھی توقف نہ کرتے ہوئے/ میں نے اس کے منہ پر زوردار طمانچہ رسید کر دیا۔

(۴) ''لڑائی جھگڑے کا سوال ہی کہاں ہوتا ہے'' : اپنا دھرم تو رکھ مندر میں/ میں اپنا مذہب رکھتا ہوں مسجد میں/ تو اپنا دھرم رکھ اپنے سینے میں/ میں رکھتا ہوں اپنا مذہب اپنے دل میں/ مت آنا تم راستے پر اپنا دھرم لے کر/ میں بھی نہیں آؤں گا۔/ تم سمجھو میرا مذہب کیا ہے/ سمجھ لیتا ہوں میں بھی تمھارا/ صاف ستھرے دل سے/ کسی بھی رنگ کا چشمہ/ آنکھوں پر نہ چڑھاتے ہوئے/ پھر لڑائی جھگڑے کا/ سوال ہی کہاں آتا رے ......؟

ایسی مثبت فکر والی نظمیں ۱۲۴ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ ڈی کے شیخ نے طرح طرح اپنے قارئین کو انسانیت، اخوت اور بھائی چارے کا درس دینے کی کوشش کی ہے۔ وطن پرستی کی ترغیب دی ہے۔ یہ خالص ہندوستانی معاشرے کی نظمیں آزادی سے اب تک ہونے والی نفرت کی داستانیں یاد دلاتی ہیں اور شاعر کی فکر میں مایوسی نہیں جیون جینے کی ہمت ہے۔ دلوں میں مایوسی کے زنگ کو صاف کرنے کے نسخے ہیں۔ ایک سچے ہندوستانی مسلمان کے دلی جذبات ان نظموں میں محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ شاعر کی راست گوئی قارئین کی ذہن سازی کرتی ہیں اور امن، آشتی، اتحاد اور بھائی چارگی کا پیغام دیتی ہیں۔ اسلم مرزا نے ڈی کے شیخ کی ان نظموں کو اردو زبان کا پیراہن دے کر اردو سماج کو ایک تحفہ دے کر عصر حاضر کی ایک سماجی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ یہ کتاب زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچے اور زیادہ سے زیادہ نظروں سے گزرے تو نظموں کا مقصد پورا ہوگا۔ آخر میں ''پیش گفتار'' کے تحت لکھے ہوئے مترجم اسلم مرزا کے مضمون کے ایک اقتباس پر مبنی اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں : ''فساد اور دیگر نظمیں'' میں شامل اردو تراجم پڑھتے ہوئے آپ ایک ایسے حساس، خوددار اور نیک مسلمان مراٹھی شاعر سے متعارف ہوں گے جو ہندو اور مسلمان دونوں کو نہایت تند وتیز لہجے میں امن اور شانتی کے راستے پر چلنے کی تلقین کرتا ہے۔ مسلمانوں کے دلی جذبات کو احساسِ ذمہ داری اور حق گوئی وبے باکی کے ساتھ مراٹھی حضرات تک پہنچاتا ہے۔ اس کتاب کی قیمت ہے ۲۰۰/روپے اور پبلشر ہیں: مسز دلشاد دلاور شیخ، شمس چوک، خواجہ نگر، عثمان آباد ۔431501

☆☆☆

یٰسین ابن عمر (سیتاپر)

موبائل۔9807023540

تیرگی دنیا سے اے یار مٹانے دو مجھے	پھر سے الفت کی شمع دل میں جلانے دو مجھے
خود ہی بجھ جائیں گے اے دوست یہ نفرت کے چراغ	پرچمِ امن بھی ہاتھوں میں اٹھانے دو مجھے
تیری رسوائی گوارا نہیں اے جانِ غزل	''لوگ پڑھ لیں گے یہ تحریر مٹانے دو مجھے''
رقص آنگن میں مرے کرتی ہے غربت میری	میں نہیں چاہتا دنیا کے خزانے دو مجھے
تہی دامانی کا مجھ کو نہیں شکوہ یٰسین	مال و دولت نہیں کچھ خواب سہانے دو مجھے

ادب پیما

(ادبی تہذیبی اور ثقافتی سرگرمیاں)

ڈاکٹر محمد زاہد کے اعزاز میں اردو، ہندی مشاعرہ

نئی نسل کے ممتاز قلم کار ڈاکٹر محمد زاہد جو حال میں ڈنمارک کے شہر کوپن ہیگن میں منعقدہ سہ روزہ بین الاقوامی اردو کانفرنس میں شرکت کرنے کے بعد ہندوستان لوٹے ہیں ان کے اعزاز میں کلکتہ کے ہندی میگزین ''صدی نامہ'' کی جانب سے ایک جلسۂ تہنیت کا انعقاد کیا گیا۔ یہ تقریب آیوش بھون، کاشی پور، کلکتہ میں مورخہ ۱۸/نومبر ۲۰۱۹ء بروز اتوار شام ۵/ بجے رکھی گئی۔ پروگرام کی صدارت ڈاکٹر محمد زاہد صاحب نے کی۔ جب کہ نقابت کے فرائض محترمہ نیتا انامیکا نے انجام دیئے۔ مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے بزرگ شاعر حلیم صابر، چندریکا پرسادانوراگی، ارون وجے سری واستوا اسٹیج پر موجود تھے۔

سب سے پہلے اردو ہندی کے شاعر آنجہانی اگم شرما کی تصویر پر پھول چڑھا کر خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ صدر صاحب کو تینوں مہمانوں نے ہار پہنا کر ان کی عزت افزائی کی۔ جناب حلیم صابر نے اپنی تقریر میں ڈاکٹر محمد زاہد کو ہندوستان کی طرف سے کانفرنس میں نمائندگی کرنے پر مبارک باد پیش کی اور کہا کہ وہ فخرِ بنگال ہیں۔ دوسرے مہمانوں نے بھی یورپ کے سفر کے لئے ڈاکٹر زاہد صاحب کو بدھائی دی۔ صدارتی خطبہ میں ڈاکٹر محمد زاہد نے ڈنمارک، جرمن اور انگلینڈ کے سفر کا حال سنایا۔ کوپن ہیگن میں کانفرنس، برلن میں مشہور شاعرہ عشرت معین سیما کی کتاب کا اجراء اور لندن میں ادبی پروگرام میں شرکت کرنے کی داستان سنائی۔ انہوں نے فرمایا کہ اردو اور ہندی زبانیں یہاں سے ہزاروں میل دور دنیا کے مختلف حصوں میں اپنے ادب اور تہذیب کی نمائندگی کررہی ہیں۔ آخر میں مشاعرہ ہوا جس میں شریک شعرا کے اسمائے گرامی ہیں: مظفر افتخاری، رئیس اعظم حیدری، شکیل گونڈوی، رضوان گورکھپوری، یوسف اختر، ڈاکٹر رہبر علی، انونیوٹیا، شمبھولال نرالا، میناکشی ساگھانے ریا، جیون سنگھ، پرویز راز، ودیا مورتی، پرویش پٹیالوی، چندر کشور چودھری، شمیم ساگر، بیج ناتھ کمار بیجو، رام نارائن جھا، پردیپ کمار دھانک، نندن پرسادا شانت، سہیل خاں، ممتاز غازی پوری، موسم، سوربھ مشرا، محمد چاند، رام ناتھ بے خبر، گیان پرکاش پانڈے و دیگر مہمانان۔ پروگرام کا اختتام رات ساڑھے نو بجے ہوا۔ (رپورٹ: سراج احمد)

سید خادم رسول عینی صاحب کے اعزاز میں فیضانِ ادب، کٹک کے زیر اہتمام مشاعرہ کا انعقاد

کٹک، اڈیشا (پریس ریلیز) نعتیہ شاعری منفرد شاعر سید خادم رسول عینی کی آمد پر ان کے اعزاز میں استقبالیہ مشاعرہ فیضان ادب، کٹک کے زیر اہتمام مدرسہ مدینۃ العلم دیوان بازار کٹک میں منعقد ہوا۔ مشاعرہ کی صدارت الحاج سید عطا محی الدین نے کی۔ مہمانِ خصوصی منور احمد حبیبی جنزل سکریٹری اڈیشا مدرسہ ٹیچر ایسوسی ایشن اور صفدر ہاشمی چیئر مین ہاشمی عبداللہ ٹرسٹ تھے۔ مشاعرہ دو دور پر مشتمل تھا۔ پہلے دور میں شعراء نے اپنے نعتیہ کلام پیش کئے اور اس دور کی نظامت سید نور الٰہی ناطق سکریٹری فیضان ادب نے کی۔ مشاعرہ کا دوسرا دور غزلیہ تھا اور اس دور کی نقابت شوکت رشیدی نے کی۔ جن شعرائے کرام نے کلام پیش کئے ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں: سعید رحمانی، سید نفیس دسنوی، سید خادم رسول عینی، سید نور الٰہی ناطق، شمس الحق شمس، سمیع الحق شاکر، عبد الحق بیتاب، عبد الحفیظ بسمل، سعید احسن، شوکت رحیم، یونس عاصم، عبد القادر بشر، رفیق رضا، ارشد جمیل، عظیم الدین عظیم، برہان ادیب وغیرہ۔

کثیر لسانی ادبی ادارہ سواگتیکا کے زیر اہتمام، بیاد سلیم اختر مرحوم ایک تعزیتی نشست و مشاعرہ

۱۹/اکتوبر بروز سنیچر بعد نماز مغرب بمقام پانتھ نواس بخشی بازار کٹک میں ایک تعزیتی مشاعرے کا انعقاد ہوا جس میں جذبۂ ٹرست کے چیئر مین جناب صفدر ہاشم بطور مہمانِ اعزازی جلوہ افروز تھے۔ مہمانِ خصوصی ڈاکٹر انجمن آراء اور اسپیکر محترمہ پشپا سنگھوی، جناب پرتاپ کمار دویدی، (ایڈوکیٹ) ادارہ سواگتیکا کے صدر جناب برداپرسن پٹنائک نے مرحوم سلیم اختر کی ناگہانی رحلت پر افسوس کا اظہار کیا اور مرحوم کی ادبی ثقافتی اور سماجی خدمات پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد مشاعرے کا آغاز سلیم اختر کے والد جناب خالد رحیم نے اپنی نظم سے کیا۔ دیگر شعرا حضرات کے اسمائے گرامی ہیں سید نفیس دسنوی، عبد الحفیظ بسمل، صلاح الدین تسکین، عبد الحق بیتاب، عائشہ جبیں، شوکت رشیدی، یونس عاصم، وغیرہم۔ سامعین کی خاصی تعداد ہال میں موجود تھی۔ سبھوں نے کھل کر داد و تحسین سے شعراء کو نوازا۔ آخر میں صدر سواگتیکا جناب برداپرسن پٹنائک کے الفاظِ تشکر سے مشاعرے کا اختتام ہوا۔

(مرسلہ: یونس عاصم)

☆☆☆

طرحی مشاعرہ

مصرعِ طرح ”لوگ پڑھ لیں گے یہ تحریر مٹانے دو مجھے“ پر غزلیں پیش ہیں۔ اگلے شمارے کے لیے طرح نوٹ فرمائیں: ”مجھے سمیٹ لے آنکھوں میں منظروں کی طرح“ (بلراج حیرت) قوافی: منظروں، محاوروں، مشوروں وغیرہ ردیف۔ کی طرح۔ پانچ اشعار پر مشتمل آپ کی طرحی غزل ۲۰/مارچ ۲۰۲۰ء کے اندر ہمیں مل جانی چاہیے۔ رسالہ اگر تاخیر سے ملے تو وصول یابی کے ایک ہفتے کے اندر ارسال کر سکتے ہیں۔ (ادارہ)

اولادِ رسول قدسی (نیویارک، امریکہ)
موبائل۔ 1(832)352-1992+

کامرانی کو جواں سال بنانے دو مجھے
طفلِ تدبیر کو سینے سے لگانے دو مجھے

دشتِ افکار میں آجائے نہ بھونچال کہیں
”لوگ پڑھ لیں گے یہ تحریر مٹانے دو مجھے“

دامنِ عزمِ جواں میں ہے ترقی کی بہار
نوجواں نسل کو یہ رمز بتانے دو مجھے

ناز برداری کروں کیف و طرب کی کب تک
رشتۂ درد و الم یوں ہی نبھانے دو مجھے

بے سبب راہ میں حائل نہ ہو میرے قدسی
وقت ہوں میں نہیں رکتا کبھی جانے دو مجھے

ایوب عادل (ہگلی)
Mob-9681650900

مجھ کو مت روک یہ خطرہ تو اٹھانے دو مجھے
اہلِ اخلاص کو یہ زخم دکھانے دو مجھے

جس حقیقت کو کیا جاتا ہے جھوٹا ثابت
وہ حقیقت تو زمانے کو بتانے دو مجھے

مصلحت میں بھی نہ رکھوں گا زباں کو خاموش
ہوچکی دیر قلم اب تو اٹھانے دو مجھے

شہر میں پھر تری تضحیک کا موضوع نہ بنے
”لوگ پڑھ لیں گے یہ تحریر مٹانے دو مجھے“

دل پہ اک بوجھ سا لگتا ہے جنابِ عادل
اپنے احباب کا یہ قرض چکانے دو مجھے

محمد ممتاز شعور (سمبلپور)
6370768671

عشق کی شمعیں ہر اک سمت جلانے دو مجھے
آگ نفرت کی ہر اک دل سے بجھانے دو مجھے

میں نے لکھ دی تھی ہر اک بات جو دل میں تھی مرے
”لوگ پڑھ لیں گے یہ تحریر مٹانے دو مجھے“

لوگ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہیں سدا
ایسے انسانوں کو آئینہ بنانے دو مجھے

میرے دشمن سے جو رکھتے ہیں تعلق ہر دم
دامن اپنا انھیں لوگوں سے بچانے دو مجھے

زندگی اپنی کہیں تلخ نہ ہوجایے شعور
یادِ ماضی کو کسی طرح بھلانے دو مجھے

سالک ادیبؔ (بھدرک، اڈیشا)
8249466488

میری آنکھوں نے جو دیکھا ہے دکھانے دو مجھے
کیا حقیقت ہے سیاست کی بتانے دو مجھے

کل مرے لوگ بہت ترسیں گے سائے کے لیے
آج آنگن میں کوئی پودا لگانے دو مجھے

ہے مرا کام زمانے کو منور کرنا
ہو چلی شام دیا رہ میں جلانے دو مجھے

میری مجبوری کا ادراک نہ کرلے دنیا
”لوگ پڑھ لیں گے یہ تحریر مٹانے دو مجھے“

کرتا رہتا ہوں ہر اک جھوٹ کی تردید ادیب
سچ کی تائید میں آواز اٹھانے دو مجھے

حافظ فیصل عادلؔ (چنئی)
موبائل۔ 9566886995

بے دریغ آنسو کے گوہر ہی لٹانے دو مجھے
اس سے غم ہوگا ذرا ہلکا بہانے دو مجھے

علم ہونے پہ کب آتے ہیں مدد کو یارو
رنج والم زمانے سے چھپانے دو مجھے

جو دیا کرتی ہے سوغات مجھے خوشبو کی
اپنے گاؤں کی وہی خوشبو چرانے دو مجھے

اپنی دنیا سے عداوت کو مٹانے کے لیے
شمعِ الفت کو ہر اک دل میں جلانے دو مجھے

میری قربت کی اگر رکھتے ہو خواہش عادل
یہ ضروری ہے کہیں دور نہ جانے دو مجھے

عبدالمجید فیضی (سمبلپور)
Mob-9778291038

دل کو آماجگہہِ جلوہ بنانے دو مجھے
لطفِ رعنائیِ جاناں اڑھانے دو مجھے

جامِ سرشارِ وفا کا ہے ابھی کیف و سرور
ٹھہرو ٹھہرو مری جاں ہوش میں آنے دو مجھے

نام آیے گا تمہارا بھی مرے نام کے ساتھ
”لوگ پڑھ لیں گے یہ تحریر مٹانے دو مجھے“

کوئی حاجت نہیں درماں کی دلِ محزوں کو
دردِ الفت کا ابھی لطف اٹھانے دو مجھے

پاسِ آدابِ وفا مجھ کو ہے پیہم فیضی
خوگرِ ضبطِ جفا دل کو بنانے دو مجھے

کاشف احسن (بانکوڑہ۔ مغربی بنگال)
Mob-9778291038

”لوگ پڑھ لیں گے یہ تحریر مٹانے دو مجھے“
سانحہ تلخ حقیقت کا چھپانے دو مجھے

آگئی شام دیوالی کی جلا کر دیپک
روشنی آج دلوں میں بھی جگانے دو مجھے

جوش میں آکے بہک سکتے ہیں پھر میرے
اپنے جذبات کو کچھ دیر سلانے دو مجھے

روکتے کیوں ہے مجھے بیچ سڑک پر یہ کہو
اپنی منزل کی طرف شوق سے جانے دو مجھے

گرچہ تعبیر نہیں ملتی ہے احسن ان کی
اپنی پلکوں پہ نئے خواب سجانے دو مجھے

عارف محمد عارف (بھدرک)
موبائل۔ 7504136004

کوئی ڈالے نہ خلل سوگ منانے دو مجھے
اس کی یادوں میں ابھی وقت بِتانے دو مجھے

باتوں باتوں میں یہ تکرار کوئی ٹھیک نہیں
بات بڑھ جایے گی بے کار میں جانے دو مجھے

آنسوؤں نے جو لکھا ہے مرے چہرے پہ صنم
”لوگ پڑھ لیں گے یہ تحریر مٹانے دو مجھے“

آج میں اپنی زباں بند نہیں رکھ سکتا
آج موقع ہے ہر ایک بات بتانے دو مجھے

تجھ کو فرقت کی اذیت نہیں ہوگی عارف
بات کچھ دن کی ہے بس لوٹ کے آنے دو مجھے

صدف عرشی (کیونجھر)
موبائل۔ 337396998

پیار کی دیپ ہر اک سمت جلانے دو مجھے
ان اندھیروں کو بہر طور مٹانے دو مجھے

زندگانی میں ابھی تک ہے اسی سے رونق
اس کی یادوں کو بھی سینے سے لگانے دو مجھے

یہ تو ہر حرف کی تعبیر بدل دیتے ہیں
”لوگ پڑھ لیں گے یہ تحریر مٹانے دو مجھے“

کچھ نہ کچھ اس کی تو تعبیر ملے گی اک دن
اپنی پلکوں پہ حسیں خواب سجانے دو مجھے

حوصلہ دل میں نیا جاگا ہے عرشی میرے
اپنی منزل کی طرف پاؤں بڑھانے دو مجھے

محمد یونس عاصم (ڈھینکانال، اڈیشا)
موبائل۔ 9090156995

دل میں جذباتِ محبت کو تو لانے دو مجھے
اور دیوارِ عداوت کو گرانے دو مجھے

دھڑکنوں میں جسے اپنے یہ بسا لے دنیا
وہ محبت بھرے نغمات بھی گانے دو مجھے

خوابِ رنگین مجھے کل کے دکھانے والو
تلخیاں پہلے تو ماضی کی بھلانے دو مجھے

غم نہیں آپ مرے غم میں کبھی ساتھ نہ دیں
یہ مرا غم ہے بہر حال اٹھانے دو مجھے

بھیک ہی پیار کی کافی ہے مجھے اے عاصم
میں نہیں چاہتا دنیا کے خزانے دو مجھے

صابر کاغذنگری

موبائل۔9941020768

گاندھی اور نہرو کے افکار جگانے دو مجھے
گلشنِ ہند کو گلزار بنانے دو مجھے

آگ نفرت کی مرے ملک میں پھیلی ہرسو
ظلم ودہشت کے یہ شعلوں کو بجھانے دو مجھے

بے وفا میں نے لکھا شدتِ غم میں اس کو
''لوگ پڑھ لیں گے یہ تحریر مٹانے دو مجھے''

حسنِ اخلاق سے دشمن کو مسخر کرکے
اپنے اسلاف کی تہذیب دکھانے دو مجھے

لگ گئی کس کی نظر اپنے وطن کو صابر
اس کو پھر سونے کی چڑیا ہی بنانے دو مجھے

قدیر احمد قدیر۔گدک (کرناٹک)

موبائل۔9980208578

اپنی توقیر بہر طور بچانے دو مجھے
''لوگ پڑھ لیں گے یہ تحریر مٹانے دو مجھے''

پھر کسی روز سناؤں گا میں حالت اپنی
حسرتِ دل کا ذرا سوگ منانے دو مجھے

نئے انداز سے پھر اس کو بناؤں گا ابھی
نقشِ ماضی تو سلیقے سے مٹانے دو مجھے

میرا ہادی مجھے لے جائے گا سوئے منزل
اس کے ہمراہ ابھی دوستو جانے دو مجھے

جو گناتے ہیں قدیر عیب یہاں اوروں کے
آئینہ ان کو ذرا آج دکھانے دو مجھے

نفیس سیتاپوری (یوپی)

موبائل۔9151387351

وہ نہ رسوا ہو خطوط اس کے جلانے دو مجھے
''لوگ پڑھ لیں گے یہ تحریر مٹانے دو مجھے''

جس میں جلتے ہوئے ہر پل مری گزری ہے حیات
دل میں اس کے بھی وہی آگ لگانے دو مجھے

مطمئن وہ مری وحشت سے ابھی ہو کہ نہ ہو
اس کی محفل میں ابھی ٹھوکریں کھانے دو مجھے

اپنے فاقے کو سمجھ لوں گا میں روزے کی طرح
کب کہا میں نے کہ خیرات کے دانے دو مجھے

دورِ حاضر میں محبت بھی تجارت ہے نفیس
میں یہ چاہتا ہوں وہی دور پرانے دو مجھے

محمد عبدالقادر طاہرؔ (کریم نگر)

موبائل۔9390547533

زندگی بوجھ اگر ہے تو اٹھانے دو مجھے
اشک موتی ہیں تو یہ اشک بہانے دو مجھے

شہرِ جاناں بھی لگے اب تو بیاباں جیسا
آشیاں دشت میں چھوٹا سا بنانے دو مجھے

پھول چبھتے ہیں تو زخموں میں جلن ہوتی ہے
آج کانٹوں ہی کو سینے سے لگانے دو مجھے

اے ہواؤ ذرا آہستہ گزرنا یاں سے
اک دیا مجھ کو جلانا ہے جلانے دو مجھے

دل پہ اک بوجھ سا رہتا ہے ہمیشہ طاہر
داستاں اپنی زمانے کو سنانے دو مجھے

حامد ندیمؔ (بھوبنیشور اڈیشا)

موبائل۔9237963339

حالِ دل اپنا زمانے کو سنانے دو مجھے
زخم جو دل پہ لگا اس کو چھپانے دو مجھے

نیند آتی تو نہیں وقت گزاری کے لیے
جشنِ غم رات کے آنگن میں منانے دو مجھے

میں نے پائی نہیں تعبیر ابھی تک لیکن
خواب آنکھوں میں نئے پھر سے سجانے دو مجھے

لکھ دیا خط میں کہ ہے ان سے محبت مجھ کو
''لوگ پڑھ لیں گے یہ تحریر مٹانے دو مجھے''

شاعری میری چمک اٹھے گی حامد اک دن
محفلِ شعر وسخن میں ذرا آنے دو مجھے

رمیش تنہا (امبالہ کینٹ)

موبائل۔9996050013

ناز ان چلتی ہواؤں کے اٹھانے دو مجھے
یعنی ویرانے میں کچھ پھول کھلانے دو مجھے

تم کو احساس نہیں ہے کہ یہ کیا لکھ بیٹھے
''لوگ پڑھ لیں گے یہ تحریر مٹانے دو مجھے''

جستجو گم شدہ دنیاؤں کی منزل ہے مری
آسمانوں سے پرے شمعیں جلانے دو مجھے

توڑ کر چاند ستاروں کو بھی لاسکتا ہوں
کہکشاؤں کی طرف ہاتھ بڑھانے دو مجھے

روز روز ایسے مواقع نہیں بنتے تنہا
فتح کا اپنی طرح جشن منانے دو مجھے

حیدر مظہریؔ (بیلاری، کرناٹک)

موبائل۔9844428175

مجھ کو روکو نہیں آواز لگانے دو مجھے
اب تو تفریق کی دیوار گرانے دو مجھے

کام آجاتے ہیں خوابوں کے اجالے بھی کبھی
ان چراغوں کو سرِ راہ جلانے دو مجھے

پر کشش ہی سہی احساسِ طرب کی دنیا
سوئے مقتل بھی کسی کے لیے جانے دو مجھے

ویسے ممکن ہے مسائل کا مداوا لیکن
بہرِ سقراط کبھی زہر بھی کھانے دو مجھے

باعثِ رنج و پشیمانیٔ دل ہے حیدر
''لوگ پڑھ لیں گے یہ تحریر مٹانے دو مجھے''

فیض رتلامی (مدھیہ پردیش)

موبائل۔7879690200

ساس کی گالیاں کھاتا ہوں تو کھانے دو مجھے
میرا سالا یہاں آیا ہے بھگانے دو مجھے

مار دے گی مجھے چپّل تو کوئی بات نہیں
تیر سے کام چلاؤں گا چلانے دو مجھے

ہنستے ہنستے جو مجھے چور کہا ہے اس نے
میں بھی دل اس کا چراؤں گا چرانے دو مجھے

لوگ شاعر یا کوی ہی تو کہیں گے مجھ کو
میرے گیسو جو دراز ہوتے ہیں ہوجانے دو

آج میں طرحی ہزل پیش کرے گا اپنی
فیض رتلامی ہوں محفل میں مجھے آنے دو

اکبر چنوری (کاغذنگر)

موبائل۔9441020768

اس اندھیرے میں کوئی شمع جلانے دو مجھے
بھٹکے لوگوں کو ذرا راہ دکھانے دو مجھے

کہکشاں، چاند ستاروں کو، صبا کو، گل کو
ان کے آنے کی خبر سب کو سنانے دو مجھے

یہ بھی احسان بڑا مجھ پہ تمہارا ہوگا
اشک پینے جو دیا غم بھی تو کھانے دو مجھے

میری رسوائی کا باعث نہ کہیں بن جائے
''لوگ پڑھ لیں گے یہ تحریر مٹانے دو مجھے''

پیار کے دھاگے میں لفظوں کو پرو کر اکبر
بزمِ جاناں میں غزل آج سنانے دو مجھے

عارفہ رخسانہ (سدّی پیٹ تلنگانہ)

موبائل۔9441020768

پیار کی اک نئی محفل کو سجانے دو مجھے
نغمۂ امن و اماں آج سنانے دو مجھے

تم کو دعویٰ ہے وفاداری کا بے حد لیکن
تم وفادار ہو کتنے یہ بتانے دو مجھے

حاکمِ شہر کی قوت سے نہیں ڈرتی میں
حق کی آواز بہر حال اٹھانے دو مجھے

ایکِ مجرم کو رہا کردیا رشوت لے کر
کیسا انصاف کیا تم نے بتانے دو مجھے

عارفہ مجھ کو عدالت پہ بھروسا تھا بہت
خونِ انصاف ہوا سوگ منانے دو مجھے

(بقیہ صفحہ 68 پر)